ہفت روزہ
خدام الدین
لاہور
بیادگار
شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی
شیرانوالہ دروازہ لاہور
۲۰؍ ربیع الاوّل ۱۳۸۹ھ
۶؍ جون ۱۹۶۹ء
یکے از مطبوعات انجمن خدام الدین لاہور
ہدیہ ۲۵ پیسے

احادیث الرسول صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی

البر نیک کاموں میں فراخت پیدا کرنا ہے۔ اور ہر نیکی بھی بر ہے حتیٰ کہ عقائد۔ عبادات، معاملات، اخلاق و معاشرت سب اس میں داخل ہیں۔ مگر یہاں جو صلہ کے ساتھ لایا گیا ہے تو وہ نیکی مراد ہے جو والدین اور اکابر کے ساتھ کی جائے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ ان کی فرمانبرداری تا بحد جائز خوب کی جائے، ہمیشہ ان کے ساتھ نرمی سے پیش آئیں۔ ان کی ناپسندیدہ اشیاء و افعال و اقوال کی کوشش اور ناپسند سے اجتناب کیا جائے۔ صلہ بھی مصدر ہے وَصَلَ وَصِلَةً وَعَدَ وَعِدَةً کی طرح اعزہ اقربا اہل نسب و ازدواج کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا مہربانی و نرمی برتنا اور ان کے حالات و حقوق کی حفاظت کرنا صلہ رحمی اسی کو کہتے ہیں شریعت میں اس کا بڑا اہتمام ہے۔ یہ اتفاق کا زبردست ہتھیار ہے۔ اس پر عمل پیرا ہونا اختلاف کی جڑ کاٹ دینا ہے۔

حدیث نمبر۱۔ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَۃَ رض قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ مَنْ اَحَبَّ اَنْ یُّبْسَطَ عَلَیْہِ فِیْ رِزْقِہٖ وَاَنْ یُّنْسَئَ فِیْ اَثَرِہٖ فَلْیَصِلْ رَحِمَہٗ اَخْرَجَہُ الْبُخَارِیُّ

حضرت ابوہریرہ رضؓ سے روایت ہے کہتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا جو یہ پسند کرتا ہو کہ اس کے رزق میں فراخی دے دی جائے اور اس کی موت مؤخر کر دی جائے تو وہ صلہ رحمی کیا کرے۔ اس کو بخاری نے روایت کیا ہے۔

حل الفاظ ینسئ۔ مہموز اللام ہے اور باب افعال سے، مجہول دیر کیا جائے یا مؤخر کیا جائے۔ ہمزہ کی فتحہ کے بعد الف سے بدل دیا جاتا ہے۔

اثرہ۔ اجل یعنی موت اور ترمذی کی روایت میں اجل کا لفظ ہے۔

فلیصل۔ لازم کا مصدر وُصُولٌ ہے ملنا اور متعدی کا مصدر وَصْلٌ ہے۔ ملانا یہاں متعدی ہے لہٰذا یہ معنی ہیں قرابت کو ملانا قطع نہ کرنا۔ قرابت کے میل رکھنے کے بہت سے درجے ہیں۔ کم از کم درجہ یہ ہے کہ ان کو چھوڑ نہ بیٹھے میٹھی بات چیت کیا کرے سلام کیا کرے۔ محبت اور خیر خواہی کرے۔ انصاف کا برتاؤ کرے۔ حقوق ادا کرے۔ اور اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ ان پر خرچ کیا کرے ان کے حالات معلوم رکھا کرے اور ان کی لغزشوں سے درگزر کیا کرے۔ احسان کا بدلہ برابر کا نہیں بلکہ زیادہ کرے۔ اگر ان میں سے کوئی سی بات کرے گا تو صلہ رحمی کرنے والا ہوگا۔ قطع رحم والا نہ ہوگا اور جو زیادہ کرے گا افضل ہوگا۔ مختصر یہ ہے کہ جو بھلائی اپنی طاقت میں ہو پہنچائی جائے۔ جس برائی سے بچایا جا سکتا ہو۔ بچایا جائے۔ ترمذی کی حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے صلہ رحمی کرنے والا وہ نہیں جو بدلہ دیتا ہو بلکہ صلہ رحمی کرنیوالا وہ ہے کہ جب اس سے قطع رحمی کی جائے تو وہ پھر بھی صلہ رحمی کرے

رَحِمَۃٌ کسر جا یا سکون حا مع کسرہ راء بچہ دانی ہے پھر چونکہ وہ قرابت کا ذریعہ ہے۔ اس لئے قرابت کے معنے میں ہے قرابت سے کیا مراد ہے اوّل نمبر وہ ہیں کہ جن دو میں سے ایک کو مرد ایک کو عورت فرض کیا جائے۔ تو ہمیشہ کے لئے وہ محرم بنتے ہوں پھر وہ ہیں جن کو شریعت سے میراث کا حق ہوتا ہے۔ ان کے بعد وہ ہیں۔ جن سے باپ ماں کی یا اپنی سسرال کی یا نسب کی قرابت ہو اور وہ وارث نہ بنتے ہوں۔

تشریح ترمذی میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ صلہ رحمی کنبہ میں محبت مال میں ترقی اور موت میں تاخیر ہے امام احمد کی حدیث میں ہے کہ صلہ رحمی اور پڑوسیوں کی رعایت گھروں کی آبادی ہے۔ اور عمروں میں زیادتی ابوالعلیٰ کی حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ صدقہ و صلہ رحمی ان دونوں سے اللہ تعالیٰ عمر کو زیادہ کرتے اور سوء خاتمہ دفع فرماتے ہیں شبہ ہو سکتا ہے کہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا یَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَۃً وَّلَا یَسْتَقْدِمُوْنَ (جب ان کی موت آجاتی ہے تو وہ نہ کچھ وقت کو مؤخر ہو سکتے ہیں نہ مقدم) تو ان حدیثوں کا مضمون آیتوں سے ٹکراتا ہے۔

جواب ۱۔ ہر چیز کے دو درجے ہیں ایک علم الٰہی میں ہونا اس کو قضائے مبرم کہتے ہیں اور ایک لوح محفوظ اور فرشتوں کے علم میں ہونا اس کو جو کسی شرط سے ہوتا ہے۔ قضائے معلق کہتے ہیں۔ اجل علم الٰہی کے درجہ میں مقدم و مؤخر نہیں ہوتی مگر علم فرشتے کے درجہ میں مقدم و مؤخر ہو سکتی ہے۔ مثال یوں سمجھئے کہ مثلاً فرشتوں کو بتا دیا گیا کہ فلاں کی عمر سو سال ہے اگر اس نے صلہ رحمی کی اور اگر قطع رحمی کی تو ساٹھ سال ہے۔ مگر علم الٰہی میں ایک بات معین ہوتی ہے مثلاً یہ کہ وہ صلہ رحمی کرے گا اور سو سال عمر پائے گا، یا مثلاً یہ کہ وہ صلہ رحمی نہیں قطع رحمی کرے گا عمر ساٹھ سال پائے گا۔ یہ بات جو علم الٰہی میں ہے متعین ہے کم و بیش نہیں ہوتی۔ مگر فرشتوں کے علم کے موافق سو اور ساٹھ کا تفاوت ہوتا ہے۔ مذکورہ آیت میں کمی بیشی نہ ہونا یہ تو علم الٰہی کے اعتبار سے ہے۔ اور آیت یَمْحُوا اللّٰہُ مَا یَشَآءُ وَیُثْبِتُ وَعِنْدَہٗۤ اُمُّ الْکِتٰبِ (اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں مٹاتے اور ثابت کر دیتے ہیں۔ الٰہی کے پاس لوح محفوظ ہے) اس حدیث میں بھی یہی محو و اثبات ہے کمی بیشی ہے۔ جواب ۲۔ عمر کے زیادہ اور موت مؤخر ہونے سے مجازی معنے یعنی عمر میں برکت ہونیکے معنی مراد ہے کہ خوب عبادت ہو اور وقت کو کام میں لگانے کی توفیق ہو آخرت کے اعمال کا ذریعہ ہو گناہوں سے حفاظت کا سبب ہو۔ پھر اس پر بھلائی کے ساتھ اس کا ذکر باقی رہے تو گویا یوں عمر کی زیادتی ہوگی۔ جواب ۳۔ اس کے بعد ایسی باتیں باقی رہیں گی جن سے اس کو روز روز ثواب ملتا رہے گا کہ گویا وہ زندہ اور عمل میں مشغول ہے مثلاً تالیفات شاگرد صدقات جاریہ واقفات اور نیک اولاد اصلاح انسانی و درس و تدریس کا سلسلہ وغیرہ۔ جواب ۴۔ عمر زیادہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ عقل و سمجھ اور علم و رزق سے آفتوں کو دور کر دیا جائے۔

جواب ۵۔ زندگی حقیقی تو دل کا یاد الٰہی میں مشغول ہونا ہے۔ اور اس سے غفلت زندگی کو ضائع کرنا ہے تو صلہ رحمی سے زندگی یعنی یاد الٰہی کی توفیق ہوتی ہے۔ یہ جوابات بزرگوں نے آیات و احادیث سے اخذ کر کے دیئے ہیں۔

قطع رحمی

حدیث نمبر۲۔ وَعَنْ جُبَیْرِ بْنِ مُطْعِمٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ لَا یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ قَاطِعٌ یعنی قَاطِعُ رَحِمٍ۔ متفق علیہ۔ اور حضرت جبیر بن مطعم سے روایت ہے کہتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جنت میں قطع کرنے والا داخل نہ ہوگا۔ یعنی قطع رحمی کرنیوالا۔ بخاری مسلم

حل الفاظ لا یدخل ظاہر الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ قطع رحمی والا جنت میں نہیں جائے گا۔ اور دوسری حدیثوں اور آیتوں سے یہ معلوم ہو رہا ہے کہ ہر مسلمان جنت میں جائے گا۔ گناہ گار بقدر گناہ سزا پا کر اور پاک صاف مسلمان شروع سے جائیں گے۔ اس لئے یہاں داخل نہ ہونے شروع میں ہی داخل نہ ہونا مراد لینا ضروری ہے۔ یعنی بلا سزا نہیں داخل ہوگا۔ سزا بھگتنے کے بعد داخل ہوگا۔

قاطع رحم۔ قاطع قطع کرنے والا اور رحم اوپر کی حدیث میں آچکا ہے۔ قرابت لہٰذا قاطع رحم رشتہ داری کو توڑنے والا ہوا۔ جو باتیں اوپر کی حدیث میں صلہ رحمی کی بیان کر دی گئی ہیں ان کے مخالف قطع رحمی ہے۔ برا برتاؤ کرنا میل جول قطع کرنا وغیرہ وغیرہ۔

تشریح ابوداؤد کی حدیث میں ہے کہ کوئی عمل آخرت کی سزا کے علاوہ دنیا میں بھی اس پر سزا ہو، قطع رحمی سے زیادہ اس کا مستحق نہیں۔ امام بخاری نے ادب المفرد میں ابن ابی اوفیٰؓ سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اس قوم پر نازل نہیں ہوتی۔ جس میں قطع رحمی کرنے والا ہو اور ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ میری امت کے عمل جمعرات کی شام جمعہ کی شب کو پیش ہوتے ہیں۔ قطع رحمی کرنے والا کا کوئی عمل قبول نہیں ہوتا۔ بہت آیات و احادیث میں قطع رحمی پر ناراضی و عذاب اور صلہ رحمی پر ثواب اور رضائے الٰہی حاصل ہونا آیا ہے اس لئے ہر مسلمان کو اپنے سب عزیزوں کا پتہ رکھنا اور ان کے ساتھ سلوک کرنا ضروری ہے۔ ہر شخص کو اپنا فعل دیکھنا چاہیئے دوسرے کا نہیں۔ دوسرا برا بھی کرے تو صلہ رحمی کا حسن یہ ہے کہ اس سے بھلائی کی جائے نرمی کا برتاؤ کیا جائے۔ اس کی باتوں سے درگزر کیا جائے۔ پھر دیکھیئے کہ کنبہ برادری کی زندگی کتنی [illegible] اور راحت بخش اور زندگی کا لطف دیتی ہے۔ افسوس کی بات ہے کہ ہم دوسروں پر تو حق سمجھتے ہیں اور اس کے خلاف ہونے سے رنجیدہ و کبیدہ ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ اپنے فعل کا ذمہ دار وہ ہے گناہ و ثواب اس کا اس کو ہے۔ ہم اپنا طور و طریق درست رکھیں۔ یہ کام اپنا ہے۔ مردانگی یہ ہے [illegible] دوسروں کی کوتاہی پر نظر ہی نہ کریں خود سب کے حق ادا کریں پھر زندگی کا لطف دیکھیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہفت روزہ

خدام الدین

لاہور

فون نمبر : ۶۷۵۴۵

جلد ۱۵ | ۲۰ ربیع الاول ۱۳۸۹ھ مطابق ۶ جون ۱۹۶۹ء | شمارہ ۵

قولِ مرداں جان دارد

دو ماہ قبل ملک جس تباہی و بربادی کے دہانے پر پہنچ گیا تھا، اس کا تصوّر بھی روح کو لرزا دینے کے لئے کافی ہے۔ لیکن قابل صد مبارک ہے ملک کی مسلّح فوج کہ اس نے ملک کو تباہی سے بچا لیا۔ ستمبر ۶۵ء میں ملک کی بہادر اور غیّور افواج نے جس اسلامی جوش و خروش اور حب الوطنی کے جذبہ سے سرشار ہو کر ملک کو خارجی دشمنوں سے بچایا تھا۔ اسی جذبہ و محبّت نے ان کو مجبور کیا کہ وہ مارچ ۱۹۶۹ء میں ملک کو داخلی انتشار سے بچائیں۔ اور یہ فریضہ انہوں نے بطریقِ احسن ادا کیا۔ ملک کی فوج اپنے ملک کی حدود کی محافظ اور اس کی سالمیت و بقا کی ضامن ہوتی ہے۔ ہمیں فخر ہے کہ ہماری فوج اس بارے میں اعلیٰ کردار کی حامل ہے۔ اس نے جس پامردی، ہمت، خلوص سے اپنے سے چھ گنا طاقت ور حملہ آور کو شکست دی۔ اس کی بناء پر ہمارے ملک کا سر اقوام عالم میں بالا و بلند ہوا۔ فوج کا اصل کام یہ ہے کہ وہ ملک کی سرحدوں کی حفاظت کرے۔ نہ کہ ملک پر حکومت۔ لیکن ناگزیر حالات کی بناء پر فوج کو ملک پر حکومت کرنا پڑے تو اچھی فوج مجبور ہو کر بادلِ نخواستہ یہ قدم بھی اٹھاتی ہے لیکن تندہی سے کام کر کے جلد از جلد واپس بیرکوں میں چلی جاتی ہے۔

ملک کے موجودہ صدر جنرل محمد یحییٰ خاں نے تقریباً ہر تقریر میں اس بات کو دہرایا اور اس نیک عزم کا اظہار کیا ہے کہ وہ حالات کی درستی اور خوشگواری کے بعد ملک کو ملک کے نمائندوں اور عوام کے سپرد کر کے حقیقی مسرّت محسوس کریں گے۔

ہمارا یہ ملک کتاب و سنّت کے نام پر قائم ہوا تھا اور ملک کے بانیوں نے متعدد بار یہ یقین دہانی کرائی تھی کہ اس میں جو نظام رائج کیا جائے گا وہ وہی ہو گا جو قرنِ اوّل میں تھا۔ اس ملک میں جتنے حکمران آئے انہوں نے نام ہمیشہ اسلام کا لیا۔ لیکن عملاً ملک کو اسلام سے دُور کرتے چلے گئے۔ اور پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الٰہ الاّ اللہ ــــ کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا۔ یہ ایک طویل دلخراش داستان ہے، جس کے علل و اسباب پر ان کالموں میں کئی دفعہ تبصرہ ہو چکا ہے۔

ہمیں خوشی ہے کہ نئے صدرِ مملکت نے بڑے بااعتماد لہجہ میں اس پاکیزہ عزم و جذبے کا اظہار کیا ہے کہ یہ ملک اسلام کے لئے حاصل کیا گیا تھا لہٰذا یہاں اسلام آ کر رہے گا اسلام کے علاوہ کسی اور نظریۂ حیات کو یہاں پنپنے کا موقع نہیں دیا جائیگا۔

اپنے اپنے وقت پر ہر حاکمِ اعلیٰ یہی کہتا رہا ہے۔ لیکن جنرل محمد یحییٰ خاں کے گذشتہ دو ماہ کے کردار اور عمل نے ہمیں یہ بھرپور یقین دلایا ہے کہ ان کا یہ اعلان کوئی وقتی یا رسمی اعلان نہیں ہے بلکہ وہ اس کو پورا کر کے دکھائیں گے۔ ملک کے ہر شعبہ میں تطہیر کی جو مہم کامیابی کے ساتھ جاری ہے۔ اس کی بناء پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ جنرل موصوف ملک کو ایسے راستے پر گامزن کر دیں گے کہ جس سے ہم اگرچہ تاخیر سے ہی سہی مگر اپنی منزلِ مقصود کو ضرور پا لیں گے۔ اور ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ملک کو اس کی صحیح منزل پر پہنچانے والا انسان حیاتِ جاوداں پائے گا ــــ اور تاریخ اسلام میں اس کا نام سنہری حروف سے تاقیامت چمکتا رہے گا۔ لیل و نہار کی گردشیں اس کی عظمت میں اضافہ کا باعث ہوں گی ــــ خدا کرے یہ نیک اور پاکیزہ کام جنرل محمد یحییٰ خاں کے مقدر کا نوشتہ ہو۔ اقتدار و اختیار کی مدت بہرحال محدود و متناہی ہے اور احکم الحاکمین کی جانب سے ایک مقدّس امانت ہے۔ مبارک ہیں وہ لوگ جو اس محدود و متناہی مدّت میں اللہ کی رضا کی خاطر کام کر کے شہرت عام اور بقائے دوام حاصل کرتے ہیں۔

ہم صدرِ محترم کی خدمت میں گذارش کریں گے کہ وہ اپنی تمامتر توجہات کتاب و سنت کے قانون کے نفاذ کی جانب رکھیں ــــ ہم ان کو یقین دلاتے ہیں کہ اگر وہ اس میں کامیاب ہو گئے تو اس سے ملک کی تمام اقتصادی، معاشی مشکلات اور معاشرتی برائیاں خود بخود ختم ہو جائینگی۔ رب العالمین کا ارشاد ہے:-

ولو انھم اقاموا التوراۃ والانجیل وما انزل الیھم من ربھم لاکلوا من فوقھم ومن تحت ارجلھم۔ (المائدہ)

"اور اگر وہ توارت اور انجیل کو قائم رکھتے اور اس کو جو ان پر ان کے رب کی طرف سے نازل ہوا ہے تو اپنے اوپر سے اور اپنے پاؤں کے نیچے سے کھاتے"

آسمانی ہدایت پر عمل کرنے سے آسمان و زمین کی برکات کا ظہور ہوتا ہے اور ملک میں مکمل امن و امان۔ پھر کیوں نہ انسانی عقول پر اعتماد کرنے کی بجائے اپنے پیدا کرنے والے کی

(باقی ص ۱۰ پر)

مجلسِ ذکر ۱۲ر ربیع الاوّل ۱۳۸۹ھ مطابق ۲۹ر مئی ۱۹۶۹ء

مُشتبہ اور حرام سے بچو!

از حضرت مولانا عبید اللہ انور دامت برکاتہم ——— مرتّبہ: محمد عثمان غنی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی: اَمَّا بَعْدُ:-
فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ: بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ:-

عبادت کا مقصود

تمام اعمال اور معاملات کی اصلاح اور درستگی کا دار و مدار تقوٰے پر ہے اور یہی اسلام اور ایمان کی روح ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:-
یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ۔
ترجمہ: اے ایمان والو! ڈرتے رہو تم اللہ سے جیسے اس سے ڈرنے کا حق ہے۔

تقوٰے کا حق اور عبادت کا مقصود یہی ہے کہ کمال احتیاط سے اور سوچ سمجھ کر زندگی گذاری جائے، شریعتِ حقّہ پر استقامت سے عمل پیرا رہے، اللہ تعالےٰ کے ہر حکم کے سامنے گردن جھکا دے، نافرمانی اور گناہ کی طرف توجّہ ہی نہ ہو، غفلت اور لاپرواہی نزدیک ہی نہ آنے پائے، ہر دم شکر گذاری کا شیوہ اختیار کرے، ناشکری اور ناقدری کا خیال تک بھی نہ آنے پائے، کلمۂ حق کہتے وقت کسی کی رو رعایت نہ کی جائے۔ کسی کی طعن و تشنیع کی پرواہ نہ ہو، کسی کے جبر و تشدّد کا خوف نہ ہو، غرض ہر معاملہ خداوند قدّوس جَلَّ مجدہٗ کے ساتھ براہِ راست ہو اور اس طرح ہو کہ وہ علّام الغیوب ہماری آنکھوں کے سامنے ہے اور ہمارے ہر نیک و بد فعل سے واقف ہے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔ فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرَاکَ ط ترجمہ:- اگر تُو خدا کو نہیں دیکھتا تو خدا تو تجھے دیکھ رہا ہے۔ جیسا کہ ارشاد قرآنی ہے۔ وَھُوَ مَعَکُمْ اَیْنَ مَا کُنْتُمْ
ترجمہ: اور وہ (خداوند قدوس) تمہارے ساتھ ہے جہاں بھی تم ہو۔

مشتبہ میں پھنسنے والا مآل کار حرام میں پھنس جاتا ہے

تمام زندگی اگر اس نظریے کے تحت گذاری جائے تو پھر انسان ہر قسم کی برائیوں سے بچ کر اپنے مالکِ حقیقی کی رضا کا تمغہ حاصل کر سکتا ہے۔ حضور نبیؐ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ حلال کام بھی واضح کر دئے گئے ہیں اور حرام کام بھی واضح کر دئے گئے ہیں۔ لیکن ان کے درمیان کچھ ایسے کام بھی ہیں جنہیں "مشتبہ" کہا جاتا ہے اور جن کا حلال یا حرام ہونا یقینی طور پر متعین نہیں اور جن سے اکثر لوگ ناواقف ہیں۔ پس جو شخص ان مشتبہ کاموں میں بھی پرہیز اور احتیاط کرے، اس نے اپنے دین اور عزت و آبرو کو محفوظ کر لیا۔ اور جو شخص ان مشتبہ کاموں میں پھنس گیا —— وہ انجام کار حرام کاموں میں بھی پھنس جائے گا۔ انسان کی مثال ایک چرواہے کی سی ہے جس کی بکریاں چراگاہ کے گرد چر رہی ہوں۔ پس ہر وقت یہی اندیشہ رہتا ہے کہ کہیں دوسرے کے کھیت میں نہ جا گھسیں اور ہر وقت ان کی حفاظت کرنا پڑتی ہے۔

قبولیتِ دعا کے لئے اکلِ حلال کی شرط

دعا کی قبولیّت کے لئے حرام اور مشتبہ چیزیں کھانے سے پرہیز کرنا شرط ہے۔ حرام کھانے سے عبادت کی لذّت سلب ہو جاتی ہے ——
اِنَّ اللّٰہَ طَیِّبٌ لَا یَقْبَلُ اِلَّا طَیِّبًا۔
ترجمہ: اللہ تعالےٰ پاک ہیں اور پاک چیزوں کو ہی قبول کرتے ہیں ——
سود اور رشوت قطعاً حرام ہیں۔ سود لینے اور دینے والوں اور سودی کاروبار کرنے والوں کے ساتھ اللہ اور اللہ کے رسولؐ کا اعلانِ جنگ ہے۔ حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ جنگل میں لکڑیاں کاٹ کر بازار میں بیچا کرتے اور آواز لگایا کرتے کہ "ہے کوئی پاک کے بدلے پاک دینے والا"؟

تقوے کی جڑ دل میں ہے

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ انسان کے جسم میں ایک گوشت کا ٹکڑا ہے۔ جب وہ درست ہوتا ہے۔ تو سارا جسم درست ہوتا ہے اور جب وہ بگڑ جاتا ہے تو سارا جسم بگڑ جاتا ہے۔ اور خبردار! وہ انسان کا دل ہے۔ جس کی صلاحیت پر انسان کی صلاحیّت موقوف ہے اور جس کے بگاڑ کے ساتھ انسانیت کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ اَلتَّقْوٰی ھٰھُنَا۔ ترجمہ، تقوٰے اور پرہیزگاری کی جڑ دل ہی میں ہے۔

اصل متّقی کون ہے؟

نبیؐ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ "جب انسان حرام سے بچنے کے لئے بہت ساری حلال چیزوں کو چھوڑ دیتا ہے اس وقت وہ اصل متّقی بنتا ہے۔ پس اصل تقوٰی اور پرہیزگاری یہی ہے کہ انسان ہر اس چیز کو چھوڑ دے جس میں ذرا بھی شک و شبہ کی گنجائش ہو تاکہ مشکوک کے اندر پھنس کر یقینی محرّمات کے قریب تر نہ ہو اور یہی صحیح زندگی کا راز ہے۔ نہ شک میں مبتلا ہو اور نہ مشکوک کو اختیار کرے

عزّت والوں کی پہچان

اللہ رب العزت کی بارگاہ میں عزّت پانے کا دارو مدار نہ دولت پر ہے اور نہ کسی اور چیز پر۔ اللہ کے نزدیک عزت والا وہ ہے جو پرہیزگار

(باقی صہ ۶ پر)

جمعہ خطبہ

۱۳ ربیع الاول ۱۳۸۹ھ مطابق ۳۰ مئی ۱۹۶۹ء

فکرِ آخرت میں ہمہ تن مصروف ہو جائیے اور اعمالِ صالحہ کا ذخیرہ کیجئے

کیونکہ

آخرت میں فقط یہی سکہ کام آئے گا

حضرت مولانا عبید اللہ انور صاحب مدظلہ

الحمد للہ وکفیٰ وسلامٌ علی عبادہ الذین اصطفیٰ : امّا بعد : فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم:
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ؕ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ (پ ۳ س البقرہ آیت ۲۵۴)

حاشیہ شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ

یعنی عمل کا وقت ابھی ہے۔ آخرت میں نہ عمل بکتے ہیں نہ کوئی آشنائی سے دیتا ہے، نہ کوئی سفارش سے چھڑا سکتا ہے۔ جب تک پکڑنے والا نہ چھوڑے۔

بزرگانِ محترم! اللہ جل شانہٗ اس آیت مبارکہ میں مسلمانوں کو یہ حکم دے رہے ہیں کہ اے ایمان والو! اس میں سے خرچ کرو جو ہم نے تمہیں عطا کیا ہے۔ (رَزَقْنٰكُمْ)

صاف ظاہر ہے کہ مال و دولت، رزق اور خوشحالی اور جسم و جان سب اللہ ہی کے عطا کردہ ہیں اور اللہ تعالیٰ کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ جن کاموں میں چاہے مال و دولت اور جان صرف کرنے کا حکم دے۔ پس اس نکتۂ نظر سے حاصل اس آیت کا یہ نکلا کہ اے ایمان والو! تمہیں جان و مال دینے والے ہم ہیں۔ لہٰذا تمہیں اس چیز کا خوف نہیں ہونا چاہئے کہ اللہ کی راہ میں جان و مال خرچ کرنے سے تم گھاٹے میں رہو گے، غریب و نادار ہو جاؤ گے یا آئندہ کے لئے کچھ نہیں بچا سکو گے —— بلکہ اس چیز پر نظر رکھو کہ تمہارا اپنا کچھ نہیں۔ یہ صرف ہماری دین ہے۔ ہم ہی اس کے عطا کرنے والے ہیں اور ہمیں حق پہنچتا ہے کہ جس وقت چاہیں اور جس طرح چاہیں اس کے استعمال کا حکم دیں۔

دیکھو! ایسا نہ ہو کہ تم مال و متاعِ دنیا کی محبت میں پڑ کر اسے جمع کرتے رہو۔ اسے صرف اپنے نفس کے آرام و راحت ہی پر خرچ کرو اور اس اثناء میں زندگی کی عارضی مہلت ختم ہو جائے اور آنے والا دن سامنے آ جائے۔ جس دن نہ تو دنیا کی طرح خرید و فروخت ہو سکے گی کہ قیمت دے کر نیکیاں خرید لو اور بدی کی سزا سے نجات حاصل کر لو۔ نہ کسی کی یاری کام آئے گی کہ اس کے سہارے گناہ بخشوا لو، اور نہ ہی ایسا ہو سکے گا کہ کسی کی سعی و سفارش سے کام نکال لیا جائے اس دن صرف ایمان و عمل ہی نجات دلا سکیں گے۔

دیکھو! آخرت کے معاملات کو اس دنیا کے معاملات پر محمول نہ کرو۔ یہاں داؤ فریب اور دوستی یا سفارش سے کام چل سکتا ہے لیکن وہاں کوئی چیز سوائے ایمان اور ایمانِ صالح کے کام نہ آئے گی —— پس یاد رکھو! کہ جو لوگ اس حقیقت سے منکر ہیں یہی لوگ یقیناً اپنے ہاتھوں اپنا نقصان کرنے والے ہیں۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:۔

تبع المیت ثلثۃ تبع اہلہ و مالہ وعملہ فیرجع اثنان و یبقیٰ واحدًا ——

یعنی کسی مرنے والے کے پیچھے تین چیزیں اس کی قبر تک جاتی ہیں۔ (۱) اس کے اہل و عیال (۲) مال و منال اور (۳) اعمال۔ اس کے اہل و عیال اور مال و منال پہلی دونوں چیزیں تو ایسی ہیں جو واپس آ جاتی ہیں۔ مگر تیسری چیز اس کے ساتھ رہتی ہے۔

ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح اس طرح فرماتے تھے۔ کہ اگرچہ مال و دولت آنکھیں بند ہوتے ہی غیر کی ملک ہو جاتے ہیں۔ تاہم میت کو قبر تک پہنچانے تک وہ اسی کی طرف منسوب ہوتے ہیں اور خویش و اقارب بھی اُس کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کرتے ہیں مگر جونہی میت کو دفن کیا جاتا ہے یہ دونوں رُخ بدل لیتے ہیں ——

اسی لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مرنے کے بعد تین چیزیں اہل و عیال، مال و منال اور اعمال جن کے ساتھ میت کو خاص تعلق تھا قبر تک اس کے ساتھ ہوتے ہیں مگر خویش واقارب اور مال و دولت تو واپس ہو جاتے ہیں اور عمل وہیں رہ جاتے ہیں۔ قبر میں بھی ساتھ رہتے

رہتے ہیں، حشر میں بھی کام آتے اور آخرت میں بھی ساتھ نہیں چھوڑتے۔

خلاصہ یہ نکلا کہ آخرت کی بہتری اور نجات کا مدار اعمالِ صالحہ پر موقوف ہے۔ وہاں صرف اعمالِ حسنہ ہی کام آئیں گے۔

حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم

کا ارشاد گرامی ہے۔ آپؐ فرماتے ہیں کہ پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت سمجھو۔

۱۔ شباب کو بڑھاپے سے پہلے، کیونکہ بڑھاپا آنے سے آدمی میں نہ جوانی کے سے عزائم رہتے ہیں اور نہ ہی جوشِ عمل زیادہ ہوتا ہے ـــ ایک ایک قوت بتدریج رخصت ہوتی جاتی ہے۔ اس لئے جو کچھ کرنا ہو جوانی ہی میں کر لو۔

۲۔ غنا کو فقر سے پہلے غنیمت سمجھو۔ کیونکہ دولت چلتی پھرتی چھاؤں ہے۔ آج کسی کے پاس ہے تو کل کسی کے پاس ہوگی۔ اس لئے جب اللہ نے دولت دی ہے تو غفلت نہ کرو۔ آسودہ حالی میں انسان وہ وہ عملِ خیر کر سکتا ہے جو غربت اور افلاس کی حالت میں وہ ہرگز نہیں کر سکتا۔

۳۔ صحت کو بیماری سے پہلے غنیمت سمجھو اور صحت و تندرستی کی حالت میں جو کچھ ممکن ہو سکے کر لو کیونکہ بیماری میں کچھ نہیں ہو سکے گا۔

۴۔ فراغت کو مصروفیت سے پہلے غنیمت سمجھو کیونکہ آج تمہیں فراغت ہے، ممکن ہے کل نہ ہو اور جو کام آج کرنا چاہتے ہو کل نہ کر سکو۔

۵۔ زندگی کو موت سے پہلے غنیمت سمجھو کیونکہ موت کا کوئی علم نہیں کہ کب آ جائے اور ملک الموت گرفتاری کا وارنٹ لے کر پہنچ جائیں۔ پھر نہ توبہ کی مہلت دیں گے نہ استغفار کی۔ نہ نماز کے لئے چھوڑیں گے نہ خیرات کے لئے وقت دیں گے۔ لہٰذا جو کچھ ممکن ہو موت سے پہلے پہلے کر لو اور اس حیاتِ مستعار کو غنیمت سمجھو۔ اس زندگی میں جو کچھ کر لوگے وہاں وہی کام آئے گا اور اعمالِ صالحہ کی شکل میں یہاں کا جمع کیا ہوا سرمایہ وہاں خرچ ہوگا ـــ پس اگر آج یہاں سے خالی ہاتھ گئے اور اعمالِ حسنہ ساتھ نہ ہوئے تو وہاں بجز پچھتاوے کے اور کچھ ہاتھ نہ آئے گا ـــ

حاصل یہ ہے کہ اللہ کی دی ہوئی نعمتوں، جوانی، غنا، صحت، فراغت اور ساری زندگی کو غنیمت جانو۔ ان نعمتوں کی قدر کرو، انہیں بیکار نہ گنواؤ اور اپنی تمامتر مساعی دین پر محنت کرنے اور آخرت کی فکر میں لگا دو اور اعمالِ صالحہ کا خزانہ اکٹھا کر کے دنیا سے جاؤ۔ تاکہ وہ دائمی اور ابدی زندگی خوشگوار گذرے ـــ

اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین پر محنت کرنے، فکرِ آخرت کی لگن میں مگن رہنے، قبر و حشر کو سنوارنے اور آخرت کا زیادہ سے زیادہ اثاثہ اکٹھا کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین یا اللہ العالمین۔

بقیہ: مجلسِ ذکر

ہو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے ـــ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقَاكُمْ۔ ترجمہ، تحقیق اللہ کے نزدیک وہ آدمی ہے جو زیادہ پرہیزگار ہو ـــ پس جو شخص عزت اور آبرو کا خواہشمند ہے اسے چاہئے کہ تقوے اور پرہیزگاری کی زندگی اختیار کرے تاکہ تمام مشکلات دُور ہوں اور راستہ بالکل صاف ہو جائے اور رزق کے دروازے ہر طرف سے کھل جائیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے۔ وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ۔ ترجمہ، اور جو کوئی ڈرتا ہے اللہ سے، اللہ اس کے لئے نجات کی صورت نکال دیتا ہے۔ اور اسے رزق دیتا ہے جہاں سے اسے گمان بھی نہ ہو۔

حق اور باطل واضح ہیں

انسان اپنی نادانی اور ناواقفیت کی بناء پر چیزوں کی حقیقت اور ان کے فائدے اور مقصد سے پوری طرح واقفکار نہیں۔ پس حق تعالیٰ سبحانہٗ نے محض اپنے فضل و کرم سے مفید اور غیر مفید اور نفع بخش اور ضرر رساں چیزوں کو واضح کر دیا۔ مفید اور اچھی چیزوں کو اپنے بندوں کے لئے حلال اور پاکیزہ قرار دیا اور غیر مفید اور ضرر رساں چیزوں کو حرام اور نجس قرار دیا اور اُن سے بچنے کا حکم دیا تاکہ حلال کاموں کو اختیار کر کے پاکیزگی حاصل کرنے کا فائدہ اور نفع اٹھائے نیز حرام چیزوں میں پھنس کر گندگی میں آلودہ نہ ہو اور نقصان اور خسارہ نہ اٹھائے۔

حرام کمائی نامقبول ہے

اچھے اعمال اس وقت اپنا رنگ لاتے ہیں۔ جب انسان پاکیزگی کے ساتھ آراستہ ہو، اور نجاستوں سے پاک و صاف ہو۔ نبئ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ جو شخص حرام کھاتا ہے اس کی نہ نفلی عبادت قبول ہوتی ہے اور نہ فرض عبادت قبول ہوتی ہے۔

دوسری حدیث میں ہے کہ جو شخص حرام مال کماتا ہے جو کچھ اس میں سے صدقہ خیرات کرتا ہے وہ نامقبول ہوتا ہے اور جو کچھ خرچ اخراجات کرتا ہے اس میں برکت نہیں ہوتی اور جو کچھ چھوڑ کے مرتا ہے وہ دوزخ کا ذریعہ ہوتا ہے اور جو جسم حرام مال سے پلتا ہے وہ آگ کے لئے زیادہ مناسب ہے۔ جو شخص اپنی کمائی میں حرام اور حلال کی پرواہ نہیں کرتا، حق تعالیٰ بھی لاپرواہی سے اُسے دوزخ میں پھینک دیتے ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں۔ جس پیٹ میں لقمۂ حرام موجود ہو اس کی نماز قبول نہیں ہو سکتی۔ پس مومن کی شان یہ ہے کہ وہ حلال کی طلب اور جستجو میں سرگرم اور سرگرداں رہے اور حرام سے قطعاً اجتناب کرے۔

دعا اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہم سب کو مشتبہ اور حرام سے بچائے اور اپنے غیب کے خزانوں سے رزقِ حلال بےحساب و بے انداز عطا فرمائے۔ آمین یا اللہ العالمین!

(قسط ۶)

قرآنی توحید

پروفیسر حافظ عبد المجید، ایم۔ایس۔سی، ایم۔اے

شانِ رزّاقیت

۲۶۔ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۖ قَالَ يَا مَرْيَمُ أَنَّىٰ لَكِ هَٰذَا ۖ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ ۖ إِنَّ اللَّهَ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ (۳:۱۳)

ترجمہ: جس وقت حضرت زکریا (علیہ السلام) حجرے میں (حضرت) مریم کے پاس آتے تو ان کے پاس کچھ کھانا رکھا ہوا دیکھتے (حضرت) زکریا (علیہ السلام) نے پوچھا۔ اے مریم! تیرے پاس یہ کہاں سے آیا؟ بولیں یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ بے شک اللہ جس کو چاہے بے حساب رزق دیتا ہے۔

فائدہ: حضرت عمران کی بیوی نے نذر مانی تھی کہ میرے شکم میں جو کچھ ہے اسے اللہ کی رضا کے لئے وقف کروں گی۔ کہ وہ تمام دنیوی علائق سے تعلق قطع کر کے محض عبادتِ خداوندی میں اپنی زندگی بسر کرے۔ ان کے ہاں حضرت مریم پیدا ہوئیں۔ انہوں نے اپنی نذر پوری کی۔ حضرت مریمؑ کی کفالت حضرت زکریاؑ کے سپرد ہوئی۔ جب حضرت مریم سیانی ہوئیں تو ان کے لئے ایک حجرہ مخصوص کر دیا گیا جس میں وہ عبادت کیا کرتی تھیں۔ جب حضرت زکریا علیہ السلام اس حجرے میں جاتے تو حضرت مریمؑ کے پاس رزق پڑا ہوتے دیکھتے۔ انہیں اس پر تعجب ہوا کہ یہ کھانا حضرت مریمؑ کے پاس کہاں سے آیا؟ اس لئے انہوں نے حضرت مریمؑ سے پوچھا کہ یہ رزق کہاں سے آیا؟ حضرت مریمؑ نے فرمایا کہ یہ خدا کی طرف سے ہے۔

خداوندِ قدوس کی شانِ رزاقیت کا اندازہ کریں کہ حضرت مریم علیہا السلام کے لئے ظاہری اسباب کے بغیر رزق کا ایسا سامان فرمایا کہ حضرت زکریا علیہ السلام بھی تعجب کئے بغیر نہ رہ سکے۔

پرویز صاحب کی تحقیق

پرویز صاحب نے اس واقعہ کے ضمن میں لکھا ہے:۔

"کھانے پینے کی چیزوں کے متعلق دریافت کرنے پر حضرت مریمؑ نے فرمایا۔ کہ ھو من عند اللہ (یہ منجانب اللہ ہیں) ضروری نہیں کہ من عنداللہ سے مراد یہ ہو کہ یہ اشیاء ذریعہ اور واسطہ کے بغیر براہ راست خدا کی طرف سے آئی ہیں۔ بلکہ —— ذرائع و وسائل سے حاصل شدہ اشیاء کے متعلق بھی اللہ کے بندے یہی کہا کرتے ہیں —— معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مریمؑ کے زہد و تورع کی شہرت عام ہو گئی تھی اس لئے لوگ ان کے پاس کھانے پینے کی چیزیں بطور نذر و منت از خود لئے چلے آتے تھے۔

(معارف القرآن از پرویز۔ جلد سوم ص ۴۸۹)

پرویز صاحب نے اس قرآنی واقعہ کی تعبیر و تفسیر میں جو کد و کاوش کی ہے وہ بالکل خلافِ حقیقت اور قرآنی سیاق و سباق کے خلاف ہے۔

اوّلاً: حضرت زکریاؑ حضرت مریمؑ کے کفیل تھے۔ اگر مذکورہ رزق کا ذریعہ نذر و منت ہوتا تو اس بات کا علم حضرت زکریاؑ کو تو بدرجۂ اولیٰ ہونا چاہئے تھا۔ کیونکہ حضرت زکریا علیہ السلام کی اجازت دئے بغیر وہ نذر و منت قبول کرنے کی مجاز نہ ہو سکتی تھیں۔ نیز اگر حضرت زکریا علیہ السلام کو یہ معلوم تھا کہ یہ رزق نذر و منت کے طور پر آیا ہے تو پھر انہوں نے رزق کی موجودگی پر اظہارِ تعجب کیوں کیا اور حضرت مریمؑ سے پوچھنے کی زحمت کیوں گوارا کی۔ معلوم ہوا کہ رزق کا ذریعہ نہ نذر و منت تھا نہ کوئی اور ظاہری وسیلہ۔

ثانیاً: یہ معلوم کر کے کہ رزق خداوندِ قدوس کی طرف سے بھیجا گیا ہے۔ حضرت زکریا علیہ السلام نے حصولِ اولاد کے لئے دعا مانگی۔ اب قابلِ غور امر یہ ہے کہ اس رزق میں وہ کون سی بات تھی کہ جس نے حضرت زکریا علیہ السلام کی توجہ کو اس طرف منعطف کیا کہ خدا تعالیٰ بڑھاپے میں اولاد عطا فرما سکتا ہے۔ پرویز صاحب کی تعبیر کے مطابق حضرت مریمؑ کے پاس رزق موجود پانے اور حضرت زکریا علیہ السلام کے دعا کرنے میں کوئی ربط باقی نہیں رہتا۔ حالانکہ قرآن کی رو سے اس واقعہ سے متاثر ہو کر ہی حضرت زکریا علیہ السلام نے اولاد کے لئے دعا مانگی تھی —— ان دونوں میں ربط کی صرف یہ صورت ہے کہ وہ رزق ایسی اشیاء پر مشتمل تھا جو ظاہری اسباب کے تحت اس وقت حاصل ہونا ممکن نہ تھا۔ یہ دیکھ کر کہ جو اللہ بے موسمے کھانے اور پھل ظاہری اسباب کے بغیر عطا کر سکتا ہے۔ حضرت زکریاؑ کو اس طرف توجہ ہوئی کہ وہی اللہ بڑھاپے میں اولاد بھی عطا کر سکتا ہے۔

ثالثاً: حضرت مریم علیہا السلام جس جگہ عبادت کرتی تھیں وہاں سوائے حضرت زکریا علیہ السلام کے کوئی بھی نہ جا سکتا تھا۔ کیونکہ وہ حضرت زکریا علیہ السلام کے زیرِ کفالت تھیں اور ان کی ماں نے انہیں عبادت کے لئے وقف کر دیا تھا۔ اور کسی کا ان تک پہنچنا ان کی عبادت میں خلل کا باعث بن سکتا تھا اس لئے قرینِ قیاس یہی ہے کہ حضرت علیہ السلام نے ایسا انتظام فرمایا ہوگا کہ حضرت مریم تک کسی کی رسائی نہ ہو۔ اس لئے اگر حضرت زکریا علیہ السلام اس کمرے کو باہر سے قفل لگا کر چلے جاتے ہوں تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ اور حضرت زکریا علیہ السلام نے رزق کی موجودگی پر تعجب کا جس طرح اظہار کیا اس سے بھی یہی حقیقت آشکارا ہوتی ہے کہ حضرت مریمؑ تک کسی کے پہنچنے کا کوئی ظاہری سبب موجود نہ تھا ورنہ اگر نذریں اور منتیں دینے والے کھلے بندوں حضرت مریم تک پہنچ سکتے۔ تو پھر تعجب کا اظہار حضرت زکریا علیہ السلام کیوں فرماتے۔

بے شک خدائے تعالیٰ ان ظاہری اسباب کے بغیر رزق عطا فرما سکتے ہیں۔

ذر اپنی اس شانِ رزّاقیت کے اظہار کے لئے انہوں نے حضرت مریم علیہ السلام کو ظاہری اسباب کے بغیر بے موسمے پھلوں کا رزق عطا فرمایا۔

حاشیہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی ؒ

حضرت زکریا علیہ السلام جو ان سے پوچھتے تھے کہ یہ کہاں سے آیا تو وجہ اس کی یہ تھی کہ بجز ان کے اس مکان میں کوئی نہ آ سکتا تھا، خود قفل لگا جاتے اور خود آ کر کھولتے۔ (بحوالہ روح المعانی بروایت ابن جریر عن الربیع) دوسرے وہ چیزیں بھی بے فصل میوے ہوتے تھے۔ اس لئے تعجب ہوتا۔ سو وہ رزق محض عالم غیب سے آتا تھا۔ اور یہ کرامت تھی حضرت مریم علیہا السلام کی جس کا ثابت ہونا اولیاء اللہ کے لئے مذہب ہے اہل سنت کا (بیان القرآن)

حاشیہ شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن رحؒ

"جب مجاورین میں اس کی پرورش کے متعلق اختلاف ہوا تو قرعۂ انتخاب حضرت زکریا علیہ السلام کے نام نکال دیا، تاکہ لڑکی اپنی خالہ کی آغوشِ شفقت میں تربیت پائے اور زکریاؑ کے علم و دیانت سے مستفید ہو۔ زکریاؑ نے پوری مراعات اور جد و جہد کی۔ جب مریمؑ سیانی ہوئی تو مسجد کے پاس ان کے لئے حجرہ مخصوص کر دیا۔ مریم دن بھر وہاں عبادت میں مشغول رہتی اور رات اپنی خالہ کے گھر گذارتی۔

اکثر سلف کے نزدیک رزق سے مراد ظاہری کھانا ہے۔ کہتے ہیں کہ مریم کے پاس بے موسم میوے آتے، گرمی کے پھل سردی میں، سردی کے پھل گرمی میں۔"

حاشیہ شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی رحؒ

"ایک طرف حضرت زکریا علیہ السلام متوکل علی اللہ ہیں۔ جن کے گھر میں کبھی فاقہ ہوتا ہے، کبھی خشک کھانا ملتا ہے، ادھر اللہ تعالےٰ کو یہ منظور ہے کہ مریم علیہا السلام جلدی جلدی جوان ہوں اور ان سے عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوں۔ تاکہ عمران کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ اس لئے اللہ تعالےٰ کی یہ تدبیر کام کرتی ہے کہ خارق عادت کے طور پر مریمؑ کی تربیت ہوتی ہے۔ کیونکہ اگر خاص

بندگانِ خدا کی پرورش کے لئے ظاہری اسباب نہ ہوں تو اللہ تعالےٰ عالمِ مثال کی قوتوں سے رزق بہم پہنچاتا ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالےٰ کے خزانے بھرپور ہوں اور اس کے بندے تڑپتے رہیں۔

بقیہ : درسِ قرآن

مسلمانوں میں مختلف فرقے ہیں اور قرآن پر "ریسرچ" سب اپنے اپنے ذہن کے مطابق کرتے ہیں۔ حالانکہ قرآن مجید هُدًى لِّلنَّاسِ ط ساری کائنات کے لئے ہدایت اور رحمت ہے، دو عالم کے لئے اس میں راہِ نجات ہے، سب کچھ قرآن مجید میں ہے۔ جس سے انسان کی زندگی بہتر ہو سکتی ہے، جس سے انسان کی قیامت بہتر ہو سکتی ہے۔

(باقی آئندہ)

الملفوظات البهلويۃ

نہیں ملتے یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں

(از افادات حضرت مولانا خواجہ محمد عبداللہ صاحب بہلوی - مرتبہ: محمد عابد اختر سہال۔ متعلم دار العلوم عیدگاہ کبیر والہ)

(حضرت مولانا سلف صالحین کے تقویٰ وخلوص کا نمونہ ہیں۔ آجکل صاحبِ فراش ہیں۔ قارئین سے دعا کی درخواست ہے۔ ادارہ)

- متقی اس کو کہتے ہیں جو حقوق اللہ اور حقوق العباد کی نگہداشت کرتا ہے۔
- توحید نام ہے اعتقاد و اعتماد کا۔ نہ ہم کسی کے نہ کوئی ہمارا۔ ہم سب اسی کے وہی ہمارا۔
- جب سے تکلّف آیا ہے سعادت ختم ہو چکی ہے۔
- فارغ وقت کو ذکراللہ سے آباد کرو۔
- خلقت کی خدمت۔ عبادت کی رغبت۔ رسولؐ کی اطاعت اور اہل اللہ سے الفت کو اپنا شعار بناؤ۔
- سنّت پر عمل اور توحید کی تبلیغ کو روح کی مانند سمجھو۔
- ماں باپ کی عزّت کرو، گو وہ مشرک ہی کیوں نہ ہوں۔
- شکر محبتِ خداوندی کے حصول کا ذریعہ ہے۔ شکر نعمت کو قید کرنے کی زنجیر ہے۔
- تہذیب اخلاق کے لئے ہے، مرشد کامل کی صحبت ضروری ہے۔
- اساتذہ و مرشد کی خدمت میں خالی ہاتھ نہ جانا چاہیئے۔
- امر بالمعروف نہی عن المنکر بدعت سے ہٹانے کو اپنا فرض منصبی سمجھنا اور اسی کو اپنا مقصدِ حیات سمجھو۔
- تہمت کے مواقع سے بچو۔ اس لئے بزرگانِ دین فرماتے ہیں، کسی کی لڑکی کو مت پڑھاؤ۔
- تکبّر اور عجب میں فرق ہے، تکبّر کہتے ہیں میں اچھا تو بُرا، عجب میں فقط یہی خیال ہوتا کہ میں اچھا ہوں۔
- جنّت پاکوں کی جگہ ہے اس لئے اپنے آپ کو پاک بناؤ۔
- اپنا کردار اتنا بلند رکھو کہ تمہارے متعلقین والدین رشتہ داروں کو تمہارے متعلق برائی کا شبہ بھی نہ ہو۔
- گاہ بگاہ خالہ، نانی، دادی، پھوپی کے پاس جاکر دین کی باتیں سنا آیا کرو۔
- اللہ والے خوب سیرت کو خوبصورت پر ترجیح دیتے ہیں۔
- قرآن نے تو اولیاء کی تعریف یوں کی کہ أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ آجکل لوگ اس کو ولی کہتے ہیں جو تعویذات دے۔
- تلبیس حق بالباطل مت کرو۔ یعنی حق کا درجہ باطل کو دے دیا باطل کا درجہ حق کو دے دیا، جیسے تبلیغ توحیدِ حق فرض ہے اور مستحبات و نوافل کی تبلیغ مباح کا درجہ ہے۔ اب توحید کا نام و نشان نہیں اور مستحبات پر خوب زور دے رہے ہیں۔ اس طرح ورثہ کی تقسیم فرض ہے، ورثہ کا نام و نشان نہیں اور جمعرات و گیارھویں کا ناغہ کبھی نہیں ہوتا، حالانکہ اس کا ثبوت ہی نہیں ہے

مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی صاحب کا واہ کینٹ میں درسِ قرآن

منعقدہ ۱۷ر دسمبر ۱۹۶۷ء

مرتبہ محمد عثمان غنی بی اے

(۲)

دیکھئے حکم فرمایا حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ کُلُّ اَمْرٍ ذِی بَالٍ لَمْ یُبْدَاْ بِبِسْمِ اللّٰہِ فَھُوَ اَبْتَرُ — ہر کام سے پہلے بسم اللہ پڑھی جائے۔ کیا مطلب؟ روٹی کھانے کے لئے بیٹھے تو بسم اللہ کہے، پانی پیئے تو بسم اللہ کہے، کپڑے پہنے تو بسم اللہ کہے، دنیا کا کوئی صحیح جائز کام کرے تو بسم اللہ کہے تاکہ اس کے ذہن میں یہ بات آ جائے کہ میرا تعلق اللہ کے ساتھ ہے۔ وَمَا بِکُمْ مِّنْ نِّعْمَۃٍ فَمِنَ اللّٰہِ (نحل ۵۳) یہ جتنی نعمتیں ہیں ساری کی ساری مجھے میرے اللہ کے عطا کی ہیں۔ اور بسم اللہ یعنی اللہ کے نام میں اتنی قوت ہے میرے بزرگو! کہ جس چکر میں آج ہم پڑے ہیں، یہ دنیا کا چکر، (اللہ مجھے آپ کو دنیا کے چکروں سے نکال کر اپنے ساتھ لگائے، اور اپنی رحمتوں کے ساتھ نوازے) کہ ہم اس پیٹ کے مسئلے میں بہت بُری طرح پس چکے ہیں — یعنی جو کبھی کبھی یہ عرض کیا جاتا ہے کہ ہم پیٹ کے مسئلے میں پھنسے ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ ہم محنت نہ کریں — نہیں — محنت کی جائے، مشقت کی جائے لیکن دست بکار دل بیار پر عمل رہے۔ ہاتھ سے کام کرے اور دل کا تعلق اللہ کے ساتھ رکھے۔ ہاتھ جو ہو وہ کام کرتا رہے۔ اور دل اللہ کی یاد میں مصروف رہے۔ تو اس سے اللہ تعالےٰ مشکلات آسان کر دیتے ہیں۔ یہ دنیا کا اتنا لمبا چکر نہیں ہے جو ہم نے اپنے سر پر اٹھا رکھا ہے۔ ابھی آیت آنے والی ہے۔ اللہ نے خود وعدہ فرمایا ہے کہ میں تمہارا رزاق ہوں۔ تم محنت بھی میرے حکم کے ماتحت کرو۔ یہ موسم، یہ پھل، یہ رزق، یہ غلے، یہ جو کچھ بھی تم کرتے ہو سب کے سب میرے حکم کے تابع ہیں، میں کبھی کبھی بلا اسباب بھی پیدا کر دیتا ہوں۔ حضرت مریمؑ کی کرامت سورت آل عمران میں موجود ہے کہ گرمیوں میں آپؑ کو سردی کے پھل ملتے تھے، سردیوں میں آپؑ کو گرمی کے پھل ملتے تھے۔ خود ہمارے مسلمانوں میں، امتِ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں ایسے اہل اللہ کا وجود پہلے بھی رہا ہے۔ اب بھی ہے۔ امام ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ (ہم ماتریدی ہیں، عشری ماتریدی، عقائد کے اعتبار سے)۔ ماترید ایک محلہ ہے سمرقند کا، وہاں کے تھے امام محمد ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ، چوتھی صدی ہجری میں آپؒ کا وصال ہوا۔ قرآن مجید کی آپؒ نے تفسیر لکھی، بہت بڑے عالم دین اور اللہ والے تھے۔ ان کی بسر اوقات صرف ایک باغ پر ہوتی تھی، اپنا ایک چھوٹا سا باغ تھا، اس باغ کو اپنے ہاتھ سے بوتے تھے اور اس میں سے جو کچھ ملتا تھا خود بھی کھاتے تھے، اور اپنے مہمانوں کو، طلباء کو بھی کھلایا کرتے تھے ان کے باغ کی عجیب کیفیت تھی (ان کے حالات میں ہے، تاریخ سمرقند میں ان کے حالات میں مَیں نے پڑھا ہے) کہ گرمی کے موسم میں سردی کے پھل مل جاتے تھے، سردی کے موسم میں گرمی کے پھل مل جاتے تھے، اُن کے باغ میں کسی وقت کوئی میوہ اس علاقے کا اگر آپ تلاش کرنا چاہیں تو وہ مل جاتا تھا۔ تو لوگوں نے تعجب سے پوچھا کہ حضرت! یہ کیا کیفیت ہے؟ — آپ زراعت کے ماہر نہیں ہیں، نہ آپ نے کوئی ایسا فن سیکھا ہے۔ ہماری طرح آپ زمینداری کرتے ہیں، یہ کیا کیفیت ہے؟ آپ نے فرمایا کہ مَیں تمہیں صرف ایک بات بتا دوں اور یہی میرے پاس حربہ ہے، یہی میرے پاس ایک نسخہ ہے۔ یہی میرا عمل ہے کہ مَیں ہمیشہ بیج، ہر چیز کا بیج، دائیں ہاتھ سے بوتا ہوں — اور مَیں تمہیں یقین کے ساتھ یہ کہتا ہوں۔ اگر میں قسم کھاؤں تو حانث نہ ہوں گا۔ مَیں اپنے دائیں ہاتھ کے ساتھ کبھی کوئی — نہیں، اللہ نے میرے دائیں ہاتھ میں رکھ دیا ہے کہ جو بیج میں بوتا ہوں وہ ہو جاتا ہے۔

تو یہ موسم، یہ وقت، میرے بزرگ! یہ سب کے سب خداوند قدوس کے تابع ہیں۔ اللہ اگر نہ چاہے تو انسان کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ وہ جو مشہور فارسی کا شعر ہے ؎

تہی دستانِ قسمت را چہ سود از رہبرِ کامل
کہ خضر از آبِ حیواں تشنہ می آرد سکندر را

خواہ یہ معاملہ ہوا یا نہیں ہوا لیکن بات ہے — یعنی اللہ نہ دے تو کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔ اللہ دے تو بلا سبب کے بھی سب کچھ ہو سکتا ہے — تو یہاں فرمایا۔ اِلَی اللّٰہِ مَرْجِعُکُمْ۔ تم سب نے خدا کی طرف لوٹنا ہے۔ مَیں چاہتا ہوں کہ تمہارا تعلق میرے ساتھ رہے۔

تو اس ضمن میں مَیں عرض یہ کر رہا تھا کہ اسلام کا جو نظامِ حیات ہے میرے بھائیو! اُس پر اگر ہم ایک ہفتہ بھی چلیں تو دل میں کچھ نہ کچھ خدا کے ساتھ ربط پیدا ہو جائے گا، پانی پیئیں تو بسم اللہ کہہ دیں، کھانا کھائیں تو بسم اللہ کہہ دیں، کپڑا پہنیں تو بسم اللہ کہہ دیں، اگر کوئی حکیم ہے کوئی ڈاکٹر ہے کسی بیمار کا علاج کرے بسم اللہ کہہ دے، کوئی کام کرے بسم اللہ کہہ دے۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو ہمارا سارا نظام ہی یہ بنایا گیا۔ فرمایا جب تم کسی سواری پر سوار ہو تو کیا کہو؟ بِسْمِ اللّٰہِ مَجْرٖھَا وَمُرْسٰھَا ط اِنَّ رَبِّیْ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ٥ (ہود ۴۱) اور سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا ھٰذَا وَمَا کُنَّا لَہٗ مُقْرِنِیْنَ ٥ وَاِنَّآ اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ٥ (الزخرف ۱۳-۱۴) رَبِّ اَنْزِلْنِیْ مُنْزَلًا مُّبٰرَکًا وَّاَنْتَ خَیْرُ الْمُنْزِلِیْنَ ٥ (المومنون ۲۹)

دیکھئے یہ دعائیں قرآن میں آئی ہیں۔ یعنی قرآن مجید کے متعلق ہمارا تو یہ تصور ہے، کوئی کہہ دیتا ہے کہ جی یہ صرف تصوف کی کتاب ہے، کوئی یہ کہہ دیتا ہے، یہ سائنس کی کتاب ہے، کوئی کہتا ہے یہ پہلوں کی کہانیاں ہیں —

(باقی ص پر)

اشتراکیت اور سرمایہ داری کے نظام کا خلاصہ

اور اس کا اسلامی نظام سے مقابلہ

(عبدالرحمٰن لودھیانوی، شیخوپورہ)

کمیونزم کا مطلب

کمیونزم دولت اور دولت پیدا کرنے کے ذرائع کو اور کی بجائے قوم اور ملک کی مشترکہ اجارہ داری قرار دے کر حکومت کے مطابق بزعم خود مساویانہ اصول پر تقسیم کردیا جائے گویا دولت تو سب مل کر اپنی طاقت کے مطابق پیدا کریں اور خرچ افراد کی ضرورت کے مطابق (قطع نظر اس کے کہ دولت پیدا کرنے میں کس فرد کا کتنا حصہ ہے) تقسیم کردیا جائے۔

نظام سرمایہ داری

اس کے مقابلہ میں سرمایہ داری جس کے متعلق آجکل بعض جمہوریت کا لفظ بھی استعمال کرنے لگے ہیں وہ نظام ہے جس میں افراد کے لئے ذاتی آمدنی اور ذاتی جائیداد پیدا کرنے اور اس آمدنی وجائیداد سے ذاتی فائدہ اٹھانے کا حق تسلیم کیا جاتا ہے مگر عملاً اس نظام کو اس طرح چلایا جاتا ہے اور ذاتی جائیداد کو اس طرح بے لگام چھوڑ دیا جاتا ہے اور ملک کی دولت سمٹ سمٹا کر ایک محدود اور مخصوص طبقہ کے ہاتھوں میں جمع ہوجاتی ہے۔ پھر اس جمع شدہ دولت کو مناسب رنگ میں سمونے اور امیر و غریب کے فرق کو کم کرنے کا بھی کوئی مؤثر انتظام نہیں کیا جاسکتا۔

اشتراکیت کا نظام دراصل سرمایہ داری کے نظام کا ہی ردِّ عمل ہے اگرچہ بالواسطہ طور پر اُسی کا ایک غیر قدرتی بچہ ہے سینکڑوں سال سے دنیا کا اقتصادی ایسے راستوں پر چل رہا ہے کہ قوموں اور ملکوں کی دولت سمٹ سمٹ کر ایک خاص طبقہ کے ہاتھوں میں جمع ہوگئی تھی اور آبادی کا بقیہ حصہ جس کی اکثریت تھی، غریب تھا اور افلاس، ناداری اور بے بسی انتہا کو پہنچ گئی تھی۔ سرمایہ داری کی یہ بھیانک صورت سب سے زیادہ رُوس کے ملک میں رونما ہوئی جہاں کے زاروں اور ان کے درباریوں اور رئیسوں کے تعیش نے غریبوں کا گلا گھونٹ رکھا تھا اور ان کی حالت جانوروں سے بھی بدتر ہو رہی تھی کیونکہ شعور موجود تھا مگر اس شعور کی تسکین کا کوئی سامان نہ تھا۔ پس جس طرح ہر ظالمانہ نظام کا ایک ردِّ عمل ہوا کرتا ہے جو قائم شدہ نظام کے خلاف بغاوت کا رنگ رکھتا ہے اور ایک انتہا سے دوسری انتہا تک لے جاتا ہے اسی طرح سرمایہ داری اور دولت کے اجتماع کا ردِّ عمل کی صورت میں ظاہر ہوا، اور روس میں خصوصیت سے سماجی نظام کا پنڈولم (گھڑی کا لٹکن) ایک انتہائی چوٹ کھاکر دوسری انتہا کو جا پہنچا۔

ان دونوں غیر فطری نظاموں کے مقابل یہ جن سے ایک نظام انفرادیت کو مٹاتا ہے اور دوسرا اجتماعیت کے جذبہ کو تباہ کرتا ہے۔

اسلامی نظام

اسلام کا نظریہ یہ ہے کہ عام حالات میں ذاتی دولت پیدا کرنے اور اس دولت کو ذاتی فائدہ میں خرچ کرنے کے حق کو تو تسلیم کیا جاتا ہے مگر اس کے ساتھ ہی ایک ایسی حکیمانہ مشینری لگادی ہے جس کی وجہ سے ملکی دولت کبھی بھی چند ہاتھوں میں جمع نہیں ہوسکتی اور دولت کو سمونے اور غریب وامیر کے فرق کو کم کرنے کا عمل ساتھ ساتھ چلتا رہتا ہے۔ اس طرح اسلام گویا اشتراکیت اور سرمایہ داری کے بین بین نظام ہے جس میں کمال حکمت سے ایک طرف تو دونوں نظاموں کی خوبیاں جمع ہیں اور دوسری طرف ان دونوں نظاموں کی خرابیوں سے مبرّا اور آزاد ہے، اور اس کی اپنی خوبیاں مزید برآں ہیں کہ جس اسلامی ملک کے مسلمان اسلام کی تعلیم پر قائم رہے ہیں مگر افسوس ہے کہ یہ نظارہ بہت کم نظر آتا ہے، وہاں نہ تو سرمایہ داری ہی اپنی بھیانک صورت میں قائم ہوکر اجتماعیت کے جذبہ کو تباہ کرسکی ہے اور نہ اس میں اشتراکیت کے نفوذ کا راستہ ملا۔ انفرادیت ختم ہوئی۔

اسلام نے سب سے پہلے دولت پیدا کرنے کے ذرائع کے متعلق یہ اصولی تعلیم دی کہ خدا تعالیٰ نے دنیا کے سامانوں اور دولت کے قدرتی وسائل کو تمام بنی آدم کے فائدہ کی خاطر پیدا کیا ہے اور کسی خاص طبقہ کی اجارہ داری نہیں قرار دیا، چنانچہ قرآن میں خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا (پ)، (ترجمہ) خدا نے دنیا کی ہر چیز کو تم سب کے فائدہ کے لئے پیدا کیا ہے۔

اس آیت سے ثابت ہے کہ اسلامی نظریہ کے تحت دولت پیدا کرنے کے ذرائع سب لوگوں کے لئے یکساں کھلے رکھے گئے ہیں اور ان پر کسی طبقہ کی اجارہ داری تسلیم نہیں کی گئی لیکن دوسری طرف اس کھلے دروازہ میں داخل ہونے کے بعد جو فرق انفرادی جدوجہد کے نتیجہ میں طبعی طور پر ہوجاتا ہے اسے بھی اسلام تسلیم کرتا ہے چنانچہ قرآن پاک میں ہے وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ — اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ (ترجمہ) بعض لوگوں کو خدائی قانون کے ماتحت دوسرے لوگوں پر رزق اور دولت میں فوقیت حاصل ہوجاتی ہے نیز کیا لوگ دیکھتے نہیں ہیں کہ خدا بعض لوگوں کے رزق میں فراخی پیدا کردیتا ہے اور بعض کے لئے تنگی پیدا ہوجاتی ہے۔

ان دونوں آیتوں میں غور کرنے سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ جہانتک دولت پیدا کرنے کے ذرائع کا سوال ہے وہ سب لوگوں کے لئے یکساں کھلے ہوئے ہیں مگر دوسری طرف انفرادی قابلیت اور انفرادی جدوجہد کے نتیجہ میں جو فرق افراد اور اقوام کی دولت میں طبعی طور پر پیدا ہوجاتا ہے اسے بھی خدائی قانون اور خدائی مشیت کی طرف منسوب کیا گیا ہے اور یہی وہ فطری صورت ہے جس سے حقوق کا صحیح توازن قائم رکھا جاسکتا ہے۔ اس کے مقابلہ میں اشتراکیت نے دولت اور دولت پیدا کرنے کے ذرائع کلیتہً حکومت کے ہاتھوں میں دیکر انفرادی جدوجہد کے سب سے بڑے محرک کو تباہ کردیا ہے۔ بے شک دنیا میں کام کے محرک بہت سے ہیں مگر وہ عالمگیر محرک جو تمام محرکات سے وسیع تر اور مضبوط تر ہے جس کے اثر سے کوئی فرد بشر باہر نہیں وہ فطرت انسانی کا حصہ ہے وہ اس جذبہ سے

تعلق رکھتا ہے کہ انسان اپنی محنت کا پھل خود براہِ راست ہی کاٹے مگر اس فطری جذبہ نے اشتراکیت کے نظام کو خود کچل کر رکھدیا ہے۔ یہ درست ہے کہ دوسروں کے لئے کام کرنے کا جذبہ بھی اعلیٰ فطرتِ انسانی کا حصہ ہے اور اسلام نے اس جذبہ پر بھی بہت زور دیا ہے، کیونکہ یہ جذبہ انسانی تمدن کی جان ہے مگر اسلام جو فطرت کا مذہب ہے اور تمام فطری جذبات کے توازن کو قائم رکھتا ہے اور اس نے اپنی محنت کے پھل کھانے کی عالمگیر خواہش کو بھی جو ہر انسان میں پائی جاتی ہے مٹایا نہیں، اور نہایت حکیمانہ طور پر دونوں کے بَین بَین راستہ نکال کر انفرادیت اور اجتماعیت ہر دو کی زندگی کا سامان مہیا کرتا ہے۔

اشتراکیت کے نظام میں مسابقت یعنی ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی روح کو بھی کچل دیا ہے حالانکہ یہ روح قومی اور انفرادی ترقی کا ایک بہت بڑا ذریعہ ہے کیونکہ اس کے نتیجہ میں نہ صرف انسانی جدوجہد میں وسعت اور تیزی پیدا ہوجاتی ہے بلکہ انسانی دماغ بھی زیادہ سوچتا اور زیادہ ترقی کرتا ہے۔ حق یہ ہے کہ یہ مسابقت کی روح جسے انگریزی میں دامنگ، کہتے ہیں ایک عظیم الشان فطری محرک ہے جو انسان کو آگے کی طرف دھکیل کر اس کی رفتار میں غیر معمولی تیزی پیدا کردیتا ہے اور اس کی وجہ سے اس کے دل میں یہ خواہش موجزن ہوتی ہے کہ میں دوسرے لوگوں سے آگے نکل جاؤں لیکن اشتراکیت کے نظام میں اس مسابقت کی روح کو یکسر کچلا نہیں گیا تو کم از کم مفلوج ضرور کردیا گیا ہے۔

اشتراکیت میں انفرادی ہمدردی اور غمخواری کے جذبہ کو بھی بری طرح کچلا گیا ہے، کیونکہ اشتراکیت کے نظام میں رشتہ داروں، دوستوں اور ہمسایوں و غریب لوگوں کی انفرادی امداد کا کوئی امکان باقی نہیں رہا بلکہ ہر قسم کی امداد کا منبع صرف حکومت بن جاتی ہے، حالانکہ انسانی اخلاق کی تکمیل و ترقی کے لئے یہ پہلو بھی نہایت ضروری ہے کہ حسبِ ضرورت رشتہ داروں، دوستوں، ہمسایوں اور غریبوں کی تنگی و تکلیف کے دوران میں انفرادی امداد و غمخواری کا راستہ بھی کھلا رہے مگر اشتراکیت نے اس جہت سے بھی انسان کو صرف ایک مشین بنادیا ہے حالانکہ قدرت نے انسان کو محض مشین کے طور پر پیدا نہیں کیا بلکہ اس کے اندر محبت اور ہمدردی کے جذبات ودیعت کئے ہیں جن کے انفرادی اظہار کے لئے راستہ کھلا رہنا چاہیئے، کاش اشتراکیت کے ارباب حل وعقد اس بات کو سمجھتے کہ انسان کے اندر صرف دماغ ہی پیدا نہیں کیا گیا بلکہ دل بھی پیدا کیا گیا ہے پس جب تک انسان اخلاق میں عقل و جذبات دونوں کی حکیمانہ آمیزش کا انتظام نہ ہو انسانیت کا آدھا دھڑ یقیناً مفلوج رہے گا، بے شک انفرادی امداد کے بعض پہلوؤں میں یہ خطرہ لاحق ہوتا ہے کہ دینے والے، احسان جتلانے والے، اور لینے والے میں اپنے آپ کو نیچا محسوس کرنے کی طرف میلان پیدا ہونے لگتا ہے مگر اس خطرہ کو اسلام نے بڑی سختی سے روکا ہے چنانچہ ایک طرف ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص دوسرے کی امداد کرکے احسان جتلاتا ہے وہ نہ صرف اس امداد کا سارا ثواب ضائع کرلیتا ہے بلکہ بھاری گناہ کا بھی مرتکب ہوتا ہے اور دوسری طرف ہدایت دی ہے کہ انفرادی امداد حتی الوسع خفیہ طور پر دوسروں کو پتہ لگنے کے بغیر کی جائے تاکہ امداد دینے والے اور لینے والوں کے دلوں میں کسی قسم کے ناگوار احساسات پیدا نہ ہوں۔ علاوہ ازیں اسلام یہ بھی حکم دیتا ہے کہ حاجت مند لوگ محنت کرکے خود اپنی روزی کمائیں اور حتی الوسع سوال سے پرہیز کریں اور دوسری طرف ذی ثروت لوگوں کو یہ ہدایت دیتا ہے کہ اپنے ماحول میں آنکھیں کھول کر زندگی گزارو، اور غریبوں، محتاجوں کے سوال کے بغیر خودبخود ان کی امداد کو پہنچو۔ بہرحال اسلام نے عقل و جذبات دونوں میں نہایت درجہ حکیمانہ توازن قائم کیا ہے لیکن اشتراکیت جذبات کے پہلو کو یکسر مٹا کر اس فطری توازن کو کلیتہً برباد کررہی ہے۔

پھر طرفہ ماجرا یہ ہے کہ جذبات کو مٹانے اور دماغ کے اس کے واجبی مقام سے زیادہ حیثیت کے باوجود اشتراکیت کے نظام میں انسانی دماغ کی کوئی زائد قیمت نہیں لگائی گئی بلکہ وہی ہاتھ پاؤں والی عمومی پوزیشن عمداً قائم کی گئی ہے کیونکہ اسی اصول کے مطابق افراد کا گذارہ مقرر ہوتا ہے، اب یہ ایک مسلّمہ اصول اور تجربہ شدہ حقیقت ہے کہ جس چیز کے ارفع ہونے کے باوجود اس کی زائد قیمت نہ لگے تو وہ آہستہ آہستہ اپنے مقام سے گذر کر نیچے کی چیزوں کی سطح میں آجاتی ہے، اسی طرح اشتراکیت کا نظام درحقیقت بنی آدم کی کچھ دماغی طاقتوں کو بھی نقصان پہنچانے کا موجب ہے گو ظاہر ہے کہ اس قسم کی باتوں کا نتیجہ فوری طور پر ظاہر نہیں ہوتا بلکہ کچھ عرصہ لےکر آئندہ نسلوں میں آہستہ آہستہ ہوتا ہے مگر ہوتا یقیناً ہے کیونکہ طریقِ معمول علاوہ اس کے اشتراکیت کے نظام میں انسانی حقوق کی فطری تنظیم کو ملحوظ نہیں رکھا گیا اور سارے حقوق کو ایک ہی اصول اور ایک ہی پیمانہ سے ناپا گیا۔ حالانکہ دراصل انسانی حقوق دو قسم کے (ہوتے) ہیں۔ اوّل وہ حقوق جو حکومت کے ذریعہ ہوتے ہیں مثلاً عدل و انصاف کا قیام، ملکی عہدوں کی تقسیم، ترقی کے راستوں کو سب کے لئے کھلا رکھنا وغیرہ وغیرہ اور دوسرے وہ حقوق جو فطری قویٰ کے نتیجہ میں انسان کو حاصل ہوتے ہیں مثلاً کسی شخص کا خرد و عقل میں دوسروں سے آگے ہونا، زیادہ محنت کا عادی ہونا، زیادہ اچھے طریق کار پر کاموں کو سرانجام دینا وغیرہ حقوق ہیں یہ طبعی تفاوت اتنا ظاہر وعیاں ہے کہ کوئی عقلمند انسان اس کا انکار نہیں کرسکتا لیکن اشتراکیت نے ان ہر دو قسم کے حقوق کو ایک ہی چیز قرار دے کر اور ایک ہی قانون کے ماتحت لاکر بالکل خلط ملط کردیا ہے مگر اس کے مقابل اسلام نے حقوقِ انسانی کے اس فطری تقاضے کو پوری طرح ملحوظ رکھ کر ہر ایک کے مناسب حال علیحدہ علیحدہ احکام جاری فرمائے ہیں، چنانچہ اسلام نے پہلی قسم کے حقوق میں تو جن کا ادا کرنا حکومت کے ذمہ ہے کامل مساوات قائم رکھی ہے اور کوئی امتیاز روا نہیں رکھا لیکن دوسری قسم کے حقوق میں جو مختلف قسم کے انفرادی قویٰ اور انفرادی کوشش سے تعلق رکھتے ہیں ایک نہایت درجہ حکیمانہ نظام کے ماتحت سمونے کی کوشش تو ضرور کرتے ہیں لیکن جبر کے طریق پر دخل دے کر ان سارے فرقوں کو یکسر مٹانے کا ظالمانہ اختیار قبول نہیں کیا۔ اور حق یہ ہے کہ ان فرقوں کو مٹایا بھی نہیں جاسکتا مثلاً دماغی قویٰ کے فرق کو کون مٹا سکتا ہے۔ جسمانی طاقتوں کے فرق کو کون مٹا سکتا ہے؟ اور انفرادی جدوجہد کے فرق کو کون دور کرسکتا ہے؟

اشتراکیت اور سرمایہ داری ہر دو نظاموں میں یہ بھاری نقص ہے کہ وہ انسان کو جدوجہد کے میدان سے نکال کر اور گویا کلیتہً خارجی سہاروں پر بٹھا کر غافل کردینا چاہتے ہیں کیونکہ سرمایہ داری تو دولتمندوں کے لئے جمع شدہ خزانہ

سہارا مہیا کر کے غفلت پیدا کرتی ہے اشتراکیت عوام کو حکومت کے کھونٹے باندھ کر غافل رکھنا چاہتی ہے۔ لیکن اس مقابلہ پر اسلام کا نظام انسان کو ہر ت جدوجہد کے میدان میں کھڑا رکھتا ہے ر خارجی سہارے صرف اُس حد تک مہیا تا ہے کہ وہ غفلت کا سبب نہ بنیں ور بھی وہ صحیح فطری طریق ہے جس سے یک طرف تو انسان میں انفرادی کوشش ور جدوجہد کی کیفیت طاری رہتی ہے اور انسان کا دماغ ہوشیار اور چوکس رہنے پر مجبور ہوتا ہے اور دوسری طرف خاص خطرہ کے اوقات میں کسی قدر خارجی سہاروں کا عارضی آسرا بھی موجود رہتا ہے۔

یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ افراد کی معیشت کے متعلق حکومت کا ہر حال میں کلی طور پر ذمہ دار بن جانا ایک ایسا ہی غیر فطری سہارا ہے جیسے کہ جمع شدہ خزانوں پر کسی شخص کا غافل ہوکر بیٹھ رہنا۔ بے شک درجہ کا فرق ضرور ہوگا لیکن ہر عقلمند انسان آسانی کے ساتھ سوچ سکتا ہے کہ دراصل اس جہت سے ان دونوں نظاموں کی نوعیت اور بنیادی نظریہ ایک ہی ہے کہ وہ انسان کو جدوجہد کے میدان سے نکال لیتے ہیں اور صحیح نظریہ اسلام کا ہے جو ہر مرد کو خواہ امیر ہے یا غریب، اپنی ضروریات زندگی کے لئے ہر وقت چوکس رکھتا ہے اور اُن کو غافل ہونے سے بچاتا ہے۔

مذہبی رجحان رکھنے والے لوگوں کے لئے خواہ وہ مسلمان ہیں یا عیسائی، یا یہودی یا بودھ، یا ہندو یا سکھ یا کوئی اور، ایک خاص بات یہ بھی ہے کہ اشتراکیت کے نظام میں نہ صرف انسان کے روحانی پہلو کو بالکل نظرانداز کردیا گیا ہے بلکہ حق یہ ہے کہ اس نظام کے کل پرزے روحانیت کو مٹانے اور کچلنے میں لگے ہوئے ہیں اس لئے خواہ اشتراکیت اپنے مُنہ سے خدا کے عقیدہ کے خلاف کچھ بولے یا نہ بولے اس کا عمل نمایاں طور پر دہریت کی صورت میں ظاہر ہوا ہے اور اس طرح اشتراکیت نے اس انسانیت کے نصف دھڑ کو گویا تباہ کر کے رکھ دیا ہے اور کمیونسٹوں کی اگلی نسل یقیناً ایک دہریہ نسل ہوگی جس میں کسی خدا پرست کو ڈھونڈنا ایک عبث فعل سے زیادہ نہیں ہوگا ——— اشتراکیت کے نظام کی رازداری بھی اس کے باطل ہونے کی دلیل ہے، روس کا فولادی پردہ ایک معروف حقیقت ہے۔ بچہ بچہ جانتا ہے اگر اشتراکیت حقیقتاً ایک رحمت اور بنی نوع انسان کے لئے واقعی مفید چیز ہے تو اس رازداری کے کیا معنی ہیں، روس کے دروازے غیر ملکی مبصروں کے واسطے کیوں بند ہیں۔ اشتراکیت کے پرچارک دوسرے ممالک میں خفیہ نفوذ کا کیوں طریق کار اختیار کرتے ہیں۔ تاریخ عالم کا مطالعہ اس بات کا ایک زندہ گواہ ہے کہ دنیا میں کوئی صداقت کبھی رازداری کے رنگ میں ظاہر نہیں ہوتی بلکہ ہمیشہ ایک کھلی حقیقت بن کر آتی ہے۔

حضرت آدمؑ سے لے کر حضورؐ تک اور پھر حضورؐ سے لے کر موجودہ زمانہ تک جتنے بھی مصلح دنیا کے مختلف ممالک میں آئے ہیں ان سب نے بلا استثناء اپنے اصولوں کا ڈنکے کی چوٹ پر اعلان کیا ہے ان اصولوں کی تبلیغ میں کبھی بھی کوئی رازداری نہیں برتی تو پھر سوچنے کا مقام ہے، کہ اشتراکیت میں رازداری کیوں ہے؟ کمیونزم کے نتائج کو دنیا کی کھلی منڈی میں کیوں نہیں لایا جاتا۔

اسلام کہتا ہے:

اے لوگو! خبردار ہو جاؤ کہ تمہارا رب ایک ہے اور تمہارا باپ بھی ایک تھا اور خبردار ہو کہ عربوں کو عجمیوں پر کوئی فضیلت نہیں اور نہ ہی عجمیوں کو عربوں پر کوئی فضیلت ہے اور نہ کالوں کو گوروں پر کوئی فضیلت، نہ گوروں کو کالوں پر۔ سوائے ایسی ذاتی خوبی کے جس کے ذریعہ کوئی شخص آگے نکل جائے۔

مسلمانو! خدارا غور کرو۔ رسماً و رواجاً اپنی ذاتی مطلب برآری کے لئے تو تم قرآن قرآن پکارتے ہو۔ قرآن کے دئیے ہوئے اور رسالت مآب کے لائے ہوئے ضابطۂ حیات اور دستور زندگی کو مُنہ سے تو تم کامل اور اکمل بیان کرتے ہو۔ ببانگ دہل اعلان کرتے ہو کہ ہمارا مذہب ہی ہماری سیاست ہے لیکن بتاؤ کہ تمہارے اعمال و افعال بھی مذہب کے سانچے میں ڈھلے ہوئے ہیں۔ اختیار و اقتدار حاصل ہونے پر تم قرآن اور سنت کی موجودگی میں مسلمانوں کے لئے دستور سازیوں میں مشغول ہو۔ کتاب اللہ و سنت رسول اللہ صلعم کو پس پشت ڈال کر یورپ کے خانہ برانداز قوانین کو مسلمانوں میں نافذ کرنا چاہتے ہو۔ اسلامی طریق کار کا راہ اور طرز عمل (دین) کو چھوڑ کر یورپ کے دستور کو رائج کرنا چاہتے ہو، سن لو۔ اور کان کھول کر، دل کی توجہ سے سن لو کہ خدائی فیصلہ پہلے ہی سے تمہارے لئے موجود ہے۔

"جو شخص اسلام کے سوا
کوئی دوسرا طریق کار اور طرز عمل
یعنی دین چاہتا ہے وہ طریق کار
اور طرز عمل اس سے قبول نہیں
کیا جائے گا اور وہ انجام کار نقصان
اٹھانے والوں میں ہوگا۔"
(قرآنی مفہوم)

اقوام عالم کے مقابلہ میں مسلمان مخصوص قرآنی اصولوں، مخصوص اسلامی روایات، مخصوص تمدن و معاشرت اور مخصوص معیشت و سیاست کے حامل ہیں۔ اسلامی زندگی کے لئے قرآن و سنت اور سلف صالحین کی روایات نے ایک قالب تیار کردیا ہے جو اس امت کے لئے مخصوص ہے۔ یہ وہ قالب ہے جس کا تیار کرنے والا خود خالق زمین و آسمان ہے۔ یورپ کے لوگوں نے آسمانی ہدایت سے ہٹ کر خود اپنے دماغوں کی اختراع سے اپنی زندگی کے لئے ایک قالب تیار کیا ہے جس کو مغربی تہذیب کہتے ہیں۔ یہ ضعیف الانسان کا تیار کردہ قالب ہے۔

انگریز کی ڈیڑھ صد سالہ حکومت نے ہم کو اسلامی زندگی کے بنیادی اصولوں، اسلامی روایات اور اسلامی اداروں سے بددل کر کے اپنے خود تلاش کردہ نظریوں اصولوں اور تہذیب کا گرویدہ بنادیا ہے اور ہم بحیثیت ملت کے مٹ چکے ہیں اور اسلامی لباس اور اسلامی نام رکھ کر حقیقت میں انگریز اور امریکن بن چکے ہیں۔

امیر کے انتخاب کے متعلق طالوت اور جالوت کے سلسلے میں یہ بات آچکی ہے کہ اولی الامر وہ شخص ہے جو علم اور قوت میں سب سے زیادہ ہے۔ جو شخص خود کسی عہدہ کا طالب ہو اس کے تقرر سے اجتناب لازمی ہے۔ مسلم حاکم کا فرض ہے کہ وہ بے نمازیوں کو شکنجۂ عذاب میں کس دے۔ جو لوگ صلوٰۃ اور زکوٰۃ کے تارک ہیں ان سے جنگ کی جائے، حکام کو چاہیئے کہ خود نمازیں ادا کریں بلکہ امامت کرائیں اور خطبے دیں۔ خود روزے رکھیں اور اپنے زیر فرمان لوگوں کو ان عبادات کی ادائیگی کا حکم دیں۔ ملت اسلامیہ کی بقا قرآن اور تلوار سے ہے۔

حضرت مولانا سید احمد شاہ بخاریؒ حضرت شیخ التفسیرؒ کے ممتاز خلفاء میں سے تھے۔ ان کے متعلق مندرجہ ذیل مضمون ماہنامہ "الجامعہ" میں شائع ہوا ہے۔ ہم قارئین خدام الدین کے افادہ کے لئے شکریہ کے ساتھ نقل کر رہے ہیں۔ (ادارہ)

سیّد احمد شاہ بخاریؒ

ایک ہمہ گیر شخصیت جو فرد نہیں ایک انجمن تھے بیک وقت محقق بھی تھے، مدرس بھی، واعظ بھی تھے، مناظر بھی، مصنف بھی تھے، ایڈیٹر بھی، اقوام کے مصلح بھی تھے، عابد و زاہد بھی، صاحب اجازت مرشد بھی تھے اور سالک طریق معرفت بھی۔ ان جملہ کمالات کے باوجود نہایت سادہ، ہنس مکھ اور انتہائی منکسر المزاج تھے۔
یہ انجمن ۵ محرم الحرام ۱۳۸۹ھ مطابق ۲۴ مارچ ۱۹۶۹ء کو اٹھ گئی۔ مرحوم کے ابتدائی حالات زندگی آپ کے ابتدائی دور کے شاگرد رشید اور مخلص رفیق استاذی المحترم مولانا محمد نافع صاحب اور آخری دور کے شاگرد عزیز مخدوم نذیر احمد صاحب نے مرتب کئے۔ پہلی قسط قارئین الجامعہ کی خدمت میں پیش کی جاتی ہے۔

خاندان سیّد احمد شاہ بخاری (مرحوم) کی ولادت ۱۳۲۵ھ میں ہوئی تھی۔ آپ کا خاندان سادات اجنالہ کے نام سے مشہور ہے بخاری سیّد ہیں جن کی اجنالہ میں کچھ اراضی ہے۔ مگر حضرت شاہ صاحب کے والد سیّد غلام علی شاہ صاحب کی زمین نہیں تھی۔ اسی گاؤں میں مزارعت پر گذر بسر تھی، نہایت نیک سیرت تھے۔ تمام عمر صبر و قناعت کے ساتھ بسر کی۔

ابتدائی تعلیم حضرت شاہ صاحب فرمایا کرتے تھے کہ موضع جلال پور ننگیاناں میں قیام کے زمانہ میں مجھے والدین نے حفظ قرآن مجید کے لئے یہاں سلطان احمد صاحب قریشی کے پاس مسجد جلال پور ننگیاناں میں داخل درس کرایا۔ قریشی صاحب بڑے نیک سیرت، متبع شریعت پختہ سنی المشرب انسان تھے۔ خود حافظ قرآن نہ تھے مگر شاگردوں کو حفظ کرانے کا خوب ملکہ تھا۔ عربی علوم کے عالم نہ تھے تاہم فارسی اور ابتدائی عربی کتب پڑھایا کرتے تھے۔ میرے حفظ قرآن کے دوران بعض اوقات شیعی اعتراضات پیش آتے تھے اور شاگرد قریشی صاحب موصوف سے رجوع کرتے تو وہ تحفہ اثنا عشریہ (مصنفہ شاہ عبدالعزیزؒ) سے تمام اعتراضات کے تسلی بخش جوابات ذہن نشین کرا دیتے تھے۔ مجھ پر استاد محترم کی خاص نظر کرم تھی۔ اسی زمانہ میں سید قاسم شاہ (جو مسلک کے لحاظ سے شیعہ تھا) نے مجھے اپنے مسلک پر لانے کی انتہائی کوشش کی۔ لیکن استاد محترم سلطان احمد صاحب قریشی کی صحبت کا اثر اور ان کی خصوصی نظر تھی کہ اس کا کچھ بھی اثر قبول نہ کیا۔

قابل ذکر اساتذہ حفظ قرآن کریم کے بعد سیّد احمد شاہ صاحب نے فارسی کی درسی کتابیں مختلف درسوں میں متعدد اساتذہ سے پڑھیں۔ ان میں سے قابل ذکر مولانا نور حسین صاحب (مسجد پراچگاں خوشاب) اور مولانا فضل کریم صاحب بندیالی تھے۔ فارسی درسیات کی تکمیل کے بعد موضع بندیال میں مولوی عبداللہ صاحب (مرحوم) سے آپ نے صرف پڑھی۔ قانونچہ محمد امیر رامانی خاص حفظ و ضبط کے ساتھ مولانا عبداللہ مرحوم سے پڑھا جو صرف کے نہایت ماہر استاد تھے نحو کی ابتدائی کتابیں بھی اسی درس میں پڑھیں کافیہ اور چند دیگر کتب مولانا حکیم عطا محمد صاحب قریشی کے پاس پڑھا۔

تعلیم کے ابتدائی مراحل مختلف درسوں میں گذارنے کے بعد آپ مشہور زمانہ دینی درس موضع انہی تحصیل پھالیہ ضلع گجرات میں داخل ہوتے۔ استاذ الاساتذہ حضرت مولانا غلام رسول صاحب اور مولانا ولی اللہ صاحب اور مولانا محمد اشرف صاحب سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ قدرت نے انفعال و قبول کی وافر صلاحیتوں سے شاہ صاحب کو نوازا تھا۔ اساتذہ شفیق اور قابل میسر آ گئے۔ الفیہ سے لے کر درس نظامیہ کی یہیں تکمیل کی۔ شاہ صاحب حصول علم کے شوق کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ انہوں نے حسامی الفیہ اور چند دیگر کی کتابیں نوک زبان حفظ کیں۔ آپ کے شریک درس ساتھی ساتھی مولانا قطب الدین صاحب اچھالوی اور مولانا قاضی خلیل احمد صاحب انگوی جیسے نا مثل تھے۔

شاہ صاحب حضرت مولانا غلام رسول صاحب کے درس کے آخری شاگردوں میں سے تھے ۱۳۵۱ھ میں مولانا مرحوم کا انتقال ہوا تو شاہ صاحب کو جنازہ میں شمولیت کا شرف نصیب ہوا۔

دورۂ حدیث شریف شاہ صاحب (مرحوم) عموماً قرآن کریم مگھیانہ میں سنایا کرتے تھے۔ رمضان شریف میں قرآن شریف سنا کر شوال ۱۳۵۱ھ کو دارالعلوم دیوبند چلے گئے ۱۳۵۲ھ - ۱۳۵۱ھ دورۂ شریف کی موقوف علیہ کتب پڑھیں اور ۵۳-۱۳۵۲ھ میں دورہ حدیث شریف شروع کیا۔ اسی دوران ۲ صفر ۱۳۵۲ھ کو حضرت علامہ انور شاہؒ صاحب کشمیری کا انتقال ہوا۔ اور جنازہ میں شمولیت کا شرف نصیب ہوا۔ آپ نے دورۂ حدیث شریف حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کی خدمت میں پڑھا۔ اور سالانہ امتحان میں بہترین نمبروں سے کامیابی حاصل کی۔ شعبان ۱۳۵۳ھ میں دورۂ حدیث شریف سے فارغ ہو کر واپس وطن تشریف لائے اور حسب معمول جھنگ صدر (مگھیانہ) میں قرآن پاک سنایا۔

آغاز تدریس شوال ۱۳۵۳ھ میں جامع محمدی ضلع جھنگ کے ناظم حضرت مولانا محمد ذاکر صاحب کی دعوت پر جامعہ محمدی میں مدرس اول کی حیثیت سے تدریس کا کام شروع کیا۔ آپ کی علمی قابلیت کا شہرہ طالب علمی کے زمانہ سے ہی عام تھا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں منتہی طلبہ جمع ہونے شروع ہو گئے۔ ان ایام میں منتہی طلبہ میں مولوی عبدالواحد صاحب، حافظ محمد عیسیٰ صاحب، حافظ عبیداللہ صاحب راقم (محمد نافع) وغیرہم تھے — آپ کی تشریف آوری سے جامعہ محمدی کا شہرہ دور دور تک پھیل گیا اور ادارہ خاصی ترقی پر آ گیا۔

سلسلۂ بیعت جہاں شاہ صاحب کو علمی فیوض کے اکتساب میں خاص ذوق تھا۔ فطرت سلیم فیض روحانی کے اکتساب کی طرف مائل تھی۔ ان دنوں حضرت مولانا غلام حسن صاحبؒ سجادہ نشین کہروڑ ضلع مظفر گڑھ کا شہرہ دور دور تک پھیلا ہوا تھا۔ یہ حضرت سلسلۂ نقش بندی سے منسلک تھے۔ شاہ صاحب نے آپ سے بیعت کی۔ اور معرفت کی منزلیں نہایت سرعت و مستعدی سے طے کیں اور قلیل مدت میں بیعت کی اجازت حاصل کی اور تشنگان علم و عرفان کی علمی و روحانی

تربیت کرتے رہے۔ جامعہ محمدی میں چار سال تک قیام فرمایا۔ پھر واپس اجنالہ (آبائی وطن) تشریف لائے۔

دارالہدیٰ چوکیرہ کا قیام

جامعہ محمدی سے فراغت کے بعد کچھ عرصہ مدرسہ آفتاب العلوم چنیوٹ اور کچھ مدت ریاض الاسلام نگھبانہ میں مدرس اعلیٰ کی حیثیت میں تدریس کا کام کیا۔ پھر میاں خان محمد صاحب رئیس چوکیرہ کی دعوت پر چوکیرہ ضلع سرگودھا تشریف لے گئے۔ ابتدا میں مسجد کی امامت و خطابت کا فریضہ انجام دیتے رہے بعد میں عربی علوم کا مدرسہ کھولنے کا ارادہ فرمایا۔ میاں خان محمد صاحب نے تائید کی اور ۱۳۶۸ھ کو چوکیرہ میں "دارالہدیٰ" کے نام سے عربی مدرسہ قائم کیا۔ قلیل مدت میں مدرسہ کی شہرت دور دور تک پھیل گئی۔ طلبہ کا اچھا خاصہ اجتماع ہونے لگا۔ شاہ صاحب کے ہمراہ آپ کے دیرینہ رفیق مولانا قطب الدین صاحب کی خدمات بھی دارالہدیٰ کے لئے حاصل کی گئیں۔

سفرِ حج جلد ہی میاں خان محمد کے ہمراہ سفرِ حج کی سعادت نصیب ہوئی اس سفر میں زیارتِ حرمین شریفین کے علاوہ عراق، بغداد اور دیگر اہم مقامات کی سیاحت کی اور مذہب شیعہ کی نادر کتب ہمراہ لائے۔ اس سفر کے بعد شاہ صاحب نے خصوصی طور پر مطاعن صحابہ کرام کے جوابی سلسلہ کا آغاز کیا۔ اس مطالعہ کے بعد حضرت کے علمی مذاق میں ایک خاص ذوق کا اضافہ ہوا۔ جو دورِ زمانہ کے ساتھ عمر کے آخری لمحات تک ترقی کرتا رہا۔ حاصل مطالعہ کو علمی جواہر ریزوں کی صورت میں چن چن کر جمع کرنا شروع کر دیا۔

ماہنامہ "الفاروق" کا اجراء

آپ کا یہ مطالعہ اس نوعیت کا تھا کہ اس سے ملک کے عوام اور بیشتر علماء بھی ناواقف تھے۔ اپنے اس جمع کردہ خزانہ کی اشاعت کی خاطر نومبر ۵۶ء کو ایک ماہنامہ جاری کیا جس کا نام "الفاروق" تجویز کیا۔ اس میں شیعہ مسلک کی جانب سے اعتراضات کا کافی وشافی جواب مہیا کیا گیا اور علم و تحقیق کی کسوٹی پر پرکھ کر کھرا کھوٹا الگ کر دیا۔ اس کے ساتھ چند نہایت تحقیقی اور علمی کتب تصنیف فرما کر حقائق کو واشگاف کیا۔ آپ کی مشہور تصانیف "تحقیق فدک" اور "دفع الوسواس بشرح حدیث القرطاس" ہیں۔

ماہنامہ "الفاروق" جولائی ۱۹۵۹ء تک جاری رہا اور تین سال ۸ ماہ تک باقاعدہ شائع ہوتا رہا جس میں مدح صحابہ، دفع مطاعن صحابہ اور مسلک اہلسنت پر دقیع مضامین اور علمی مقالات شائع ہوتے رہے۔ اس علمی کد و کاوش میں مولانا اللہ یار صاحب آف چکڑالا آپ کے قلمی معاون اور دستِ راست تھے۔

بعض اقتصادی مجبوریوں کے باعث رسالہ بند کرنا پڑا۔ "الفاروق" کی فائلیں اہلِ علم حضرات کے ہاں اب تک قیمتی سرمایہ کی صورت میں محفوظ ہیں۔

سرگودھا میں نقل مکانی

۱۳۶۸ھ سے لے کر ۱۳۸۶ھ شوال تک دارالہدیٰ چوکیرہ میں قیام پذیر رہے۔ آپ وہاں مدرس اعلیٰ ہی نہیں بلکہ روحِ رواں تھے۔ اس کے بعد آپ مسجد فاروق اعظم بی سیٹلائٹ ٹاؤن میں تشریف لائے اور یہاں مستقل سکونت پذیر ہوئے اور مسجد کے ساتھ دارالعلوم فاروق اعظم کے نام سے عربی مدرسہ کی بنیاد رکھی۔ مسجد کی تعمیر ابھی ابتدائی مراحل میں تھی۔ اس کی تکمیل کے ساتھ مدرسہ کے چند کمرے بنواتے اور سلسلہ تدریس شروع کر دیا۔ خود بھی پڑھاتے رہے اور مولانا حافظ صالح محمد صاحب کی تدریسی خدمات حاصل کیں۔

دارالمبلغین کا اجراء اس قلیل عرصہ میں ایک تبلیغی کورس کا آغاز بھی بتوکل الہٰی کر لیا۔ جسے مستقل شعبہ قرار دے کر ہمیشہ کے لئے جاری کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ یہ امر بھی قابلِ ذکر ہے کہ ایک ماہنامہ بنام "فاروق اعظم" جاری کرنے کا ارادہ بھی فرمایا جس کے ڈیکلریشن کی درخواست دے رکھی تھی۔ مگر اللہ تعالیٰ کا امر غالب آیا اور دل کی بے شمار حسرتیں دل میں ہی لے کر دارِ آخرت کو سدھارے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ○

وفات مورخہ ۵ محرم ۱۳۸۹ھ موافق ۲۳ مارچ ۱۹۶۹ء کو مختصر سی علالت (۲۰ گھنٹے بیمار رہنے) کے بعد انتقال فرما گئے۔ نمازِ جنازہ مسجد فاروقِ اعظم سیٹلائٹ ٹاؤن بی بلاک میں آپ کے دیرینہ رفیق مولانا قطب الدین صاحب اوچھالوی (صدر مدرس دارالہدیٰ چوکیرہ) نے پڑھائی اور جنازہ آپ کے آبائی گاؤں اجنالہ لے جایا گیا۔ جہاں آپ کے عزیز محمد علی شاہ نے دوبارہ نمازِ جنازہ پڑھائی۔ خلقِ کثیر آپ کے جنازہ میں شریک ہوئی اور اپنے آبائی قبرستان میں دفن ہوئے۔

اولاد: حضرت شاہ صاحب کی اولاد میں تین لڑکے اور ایک لڑکی موجود ہیں۔ بڑے صاحبزادے سید مولوی محمد قاسم شاہ صاحب اس وقت عربی علوم کی آخری کتابیں سراج العلوم سرگودھا میں پڑھ رہے ہیں اور دارالعلوم فاروق اعظم کی نظامت کے فرائض بھی انجام دے رہے ہیں۔ قاسم شاہ صاحب سلیم الفطرت اور ہونہار نوجوان ہیں اور امید ہے انشاء اللہ العزیز الولد سر لابیہ کے مصداق اپنے والد بزرگوار کا نام روشن کریں گے دوسرے دو صاحبزادے غلام علی شاہ اور شبیر احمد شاہ ہیں۔ جو تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ آپ کی صاحبزادی صغریٰ حافظِ قرآن ہے اور شادی شدہ ہے۔

آثارِ باقیہ حضرت شاہ صاحب مرحوم کی عمر تریسٹھ سال ہے۔ نبوی عمر کی مناسبت سے ہمیشہ اس خواہش کی آرزو کرتے تھے۔ آپ کی تصانیف اگرچہ مختصر ہیں مگر خوب تحقیق سے لکھی گئی ہیں۔ جن کی علماء نے بڑی قدر کی ہے۔

۱۔ تحقیقِ فدک: یہ تصنیف موضوع کے جملہ متعلقات پر حاوی ہے۔ دوسرے ایڈیشن میں ان تمام اعتراضات کے جواب بھی شامل کر دئیے گئے ہیں جو مخالفین نے "تصدیق فدک" اور "توثیق فدک" کے نام سے شائع کئے تھے۔

۲۔ "دفع الوسواس بشرح حدیث قرطاس" یہ کتاب مشہور واقعہ قرطاس کے متعلق محققانہ انداز میں نہایت شرح و بسط کے ساتھ لکھی گئی ہے۔ جس کے دوسرے ایڈیشن میں مزید اضافے کرنا چاہتے تھے۔

اخلاق و عادات حضرت شاہ صاحب نہایت متین، محقق اور سلیم الطبع انسان تھے، ماہر مدرس، عظیم خطیب، کامیاب مناظر اور مقرر تھے علمی کمالات میں منفرد ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت منکسر المزاج اور باغ و بہار شخصیت تھے۔ اندازِ بیان ہمیشہ سادہ عام فہم ہوتا تھا۔ مگر باتوں باتوں میں مسائل ذہن نشین کر جاتے تھے۔

آپ کی تقریر سن کر آدمی یوں محسوس کرتا تھا کہ تقریر نہیں سنی بلکہ سبق پڑھا ہے۔ اور لوحِ قلب پہ نقش ہو چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جنت الفردوس میں جگہ دے۔

"اگر تو نے اللہ بھی بہ آوازِ بلند کہا تو اس کی بھی تجھ سے باز پرس ہوگی کہ خالصاً کہا ہے یا ریا سے۔"

(سید عبدالقادر گیلانی رح)

وہ سر جو دنیا میں اللہ کے سامنے نہیں جھکا

حافظ محمد سلیمان، کیمبلپور

کیسا عجیب وقت ہوگا وہ کہ بدنِ انسانی کا ہر ہر بال زبان بن کر اللہ کی یاد کے لئے بے قرار، آنکھیں دیدار کے لئے بے تاب، اور پیشانی بصد عجز و نیاز جھکنے کو تیار، غرض انسان ہمہ تن سپاسی بن کر دربارِ عالی میں کھڑا ہوگا با وقار۔ کہ اچانک سجدہ کا حکم ہوگا۔ وَیُدْعَوْنَ اِلَی السُّجُوْدِ۔

لیکن اے کاش! کہ وہ زبانیں جو دنیا میں اللہ کی یاد سے غافل رہیں اس وقت گنگ، وہ آنکھیں جو دیدار کی طلبگار نہ بنیں، بے نور، اور وہ سر جو دنیا میں اللہ کے سامنے نہ جھکا اس دن جھکنا چاہے گا، جھک نہ سکے گا۔ وَیُدْعَوْنَ اِلَی السُّجُوْدِ فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ۔ حکم ربّانی ہوگا جب میں چاہتا تھا، تم نہیں جھکے۔ اب تم چاہتے ہو میں انہیں جھکنے دوں گا۔ (اَللّٰھُمَّ اَعِذْنَا مِنْہُ وارزقنا طاعتک فی ھٰذہ الدنیا) وَقَدْ کَانُوْا یُدْعَوْنَ اِلَی السُّجُوْدِ وَھُمْ سَالِمُوْنَ ط بعینہٖ دنیا میں بھی موت کے قریب جب یہ پردہ اٹھ جاتا ہے اور آدمی کو آنکھیں لگ جاتی ہیں تو جب وہ اعمالِ حسنہ کی طرف بے قرار ہو کر لپکتا ہے، اور پکار اٹھتا ہے لو لا اخرتنی الخ کاش کہ لمحہ بھر کے لئے مہلت مل جاتی تو اپنا سب کچھ لٹا کے اللہ کا محبوب بن جاتا۔ لیکن ع

اے بسا آرزو کہ خاک شد

وَلَنْ یُّؤَخِّرَ اللّٰہُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُھَا۔ بعض نفوسِ قدسیہ ایسے میں بھی اِرْجِعِیْ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَۃً مَّرْضِیَّۃً کی نویدِ مسرّت سنائے جاتے ہیں۔ وہ خوشی خوشی اپنی جان، جانِ آفرین کے حوالے کر کے، اللہ کے خاص الخاص بندوں میں شامل ہو کر ہمیشہ ہمیشہ کی خوشی سے لطف اندوز ہونے لگتے ہیں۔ بے شک ایسا بہتر انجام انہی لوگوں کا ہے جنہوں نے اپنی مستعار زندگی میں اللہ کی یاد اور اس کی رضا کو ہر چیز پر مقدّم رکھا اور اپنی تخلیق کو بے کار نہ جانا (اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰی جُنُوْبِھِمْ وَیَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ ھٰذَا بَاطِلًا ط)

اللہ کا ذکر تمام عبادات کی رُوح ہے۔ نماز سے جہاد تک کے سارے اعمال یاد الٰہی کے مختلف پہلو ہیں۔ ذکر ہی ہے جو ہمیں فکر کی دعوت دیتا ہے ذکر اپنے کرنے والوں کی فکر بدل دیتا ہے۔ سوچ کا رخ بدل دیتا ہے۔ پھر ذاکر اپنے ہر کام کے اندر ایک خاص نقطۂ نگاہ سے دیکھتا ہے۔ حضرت عثمانؓ کے زمانۂ خلافت میں قحط پڑ گیا، تاجر عثمان غنیؓ کے پاس آئے اور مختلف منافع پیش کئے۔ آپ نے فرمایا۔ یہ سب کم ہیں۔ میں تو اس سے زیادہ لوں گا۔" آخر اس سے زیادہ دینے والا کون ہے؟" تاجروں نے کہا۔ آپ نے فرمایا۔ "میرا رب! میں یہ مال غریب و محتاج لوگوں پر مفت تقسیم کر کے اللہ تعالٰے سے کہیں زیادہ نفع لوں گا۔" حضرت عثمانؓ جانتے تھے کہ یہ تھوڑا بہت منافع تو بہر حال ختم ہو جانا ہے مخلوقاتِ الٰہی کی خدمت سے جو رضاءِ الٰہی حاصل ہوگی اصل منافع تو وہ ہے۔

ذکر سے نہ صرف یہ کہ اعمال و عبادات میں جان پڑ جاتی ہے بلکہ معاملات بھی سدھر جاتے ہیں۔ اللہ کا ذکر کرنے والی زبانیں، خدا کی طرف اٹھنے والے ہاتھ اور راہِ خدا میں چلنے والے پاؤں، عام معاملات اور مخلوقِ خدا کے ساتھ عام برتاؤ میں بھی بزودی یا بدیر سنبھل جاتے ہیں۔

انسان مرکب ہے بدن و روح دو چیزوں کے اتصال سے۔ بدن، کائناتِ ارضی کا خلاصہ ہے۔ جس کی بقاء کے ذرائع بھی اللہ نے زمین ہی سے مہیا فرمائے اور روح ملکوتی صفات کا حامل ہے، اوپر سے آیا ہے، اس لئے اس کے لئے خوراک بھی وہیں سے بھیجی گئی۔ فرشتے اوپر کی مخلوق ہیں ان کی خوراک ہے یُسَبِّحُوْنَ اللَّیْلَ وَالنَّھَارَ لَا یَفْتُرُوْنَ یہ سے جب تک ہیں رات دن تسبیح و تہلیل میں مشغول ہیں۔ اس پر یہ تھکتے نہیں۔ جیسے انسان روزمرّہ کھاتا پیتا ہے، تھکنے کا نام نہیں۔ چاہے سینکڑوں برس زندہ رہے اور تھکے بھی کیوں! بھلا خوراک بھی کوئی تھکا دینے والی چیز ہے؟ زندگی ہی خوراک میں ہے، پوشاک میں ہے۔ بعینہٖ صبح و مسا اللہ کی یاد فرشتوں کی خوراک ہے، اور ہمارے روح کی بھی یہی غذا اور بقاء ہے۔ اسی کو شاہ ولی اللہؒ نے بہیمیّت اور ملوکیت سے تعبیر فرمایا۔ کہ انسان میں دونوں صفتیں پائی جاتی ہیں۔ ہمارے لئے جہاں کھانا پینا ضروری ہے۔ وہاں اس سے کہیں بڑھ کر اللہ کا ذکر ضروری ہے۔ اور وہ لوگ جو اللہ کی یاد سے غافل، صرف کھانے پینے میں مشغول ہیں وہ بہیمیت کا شکار ہیں۔ یَاْکُلُوْنَ کَمَا تَاْکُلُ الْاَنْعَامُ ط یوں کھاتے ہیں جیسے چارپائے۔ جیسے خوراک سے چارپائے کو کوئی فائدہ نہیں۔ بھینس جتنا زیادہ اور بہتر کھائے دودھ زیادہ دے گی۔ اب اس کو کیا فائدہ، دودھ تو ہم پی جاتے ہیں۔ بیل زیادہ کھائے اس کے لئے بے سود ہے، ہل تو ہم اس سے جوت لیتے ہیں۔ بعض بہائم صفت انسانوں کا بھی یہی حال ہے جو صرف نفس کے پجاری ہیں۔ دنیا میں فساد برپا کر کے نہ صرف اپنی بلکہ لاکھوں نفوس کی تباہی کا سبب بنتے ہیں۔ یہ صرف تصوّف کا مسئلہ نہیں بلکہ امنِ عالم کا مدار اسی پر ہے کہ بدن و روح ہر دو کے تقاضے بہر حال پورے کئے جائیں تاکہ فساد نہ ہو۔

یہ بات تو مسلّمہ ہے کہ انسان صرف خالی خولی لفافے اور بدن کا نام نہیں بلکہ کوئی اور چیز بھی ہے جو اس کے

اندر مستور ہے، نظر سے دُور ہے، غیر مرئی ہے، وہ ہے، تو انسان ہے، وہ نہیں تو انسان نہیں، اور یقیناً وہ روح ہی ہے۔ آخر کیا وجہ ہے؟ کہ جونہی روح پرواز کر جاتی ہے تو اب اسی کو انسان کہنے کو تیار نہیں، بلکہ مُردوں کی صف میں شریک کر دیتے ہیں اور جتنا جلدی ہو سکے منوں مٹی کے نیچے دفن کر دیتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ انسان نام ہے روح و بدن دونوں کے اتصال کا۔ اب مقصود تو اسی روح کی حفاظت ہے اور وُہ اتنی لطیف ہے کہ کثیف کے اندر محبوس کرنے کے سوا چارہ نہیں تھا۔ جب روح کو بدن میں مقیّد کر دیا۔ تو جو چیز محافظ ٹھہری اس کی حفاظت بھی بہر حال ضروری ہوئی۔

اس لئے جہاں بدن کو خوراک مہیّا کرنا ضروری ہے، وہاں روح کے لئے تو ازبس ضروری ہے —— اور وہ رب تعالےٰ کا ذکر ہے، اللہ کی یاد ہے، چاہے جس حالت میں ہو سجدہ ریز ہو کر یا قیام و قعود میں، کھڑے کھڑے ہو یا پہلو کے بل۔

اَللّٰھُمَّ اَعِنِّیْ عَلٰی ذِکْرِکَ وَشُکْرِکَ وَحُسْنِ عِبَادَتِکَ۔

بے صدا ہو جائے گا یہ سازِ ہستی ایک دن

جمعیۃ علمائے اسلام مغربی پاکستان کے ناظم اور مشہور دینی درسگاہ جامعہ حمیدیہ سرائے مغل لاہور کے صدر مولانا محمد اکرم صاحب کے برادر اکبر الحاج صوفی محمد اسلم صاحب سلطان فونڈری والے ۸ر مئی بروز جمعرات بعد نماز مغرب اس دارِ فانی سے رحلت فرما گئے

انّا للہ وانّا الیہ راجعون۔

صبح تہجد کی نماز کے وقت آپ کو دل کی تکلیف لاحق ہوئی جو آخر جان لیوا ثابت ہوئی۔ مرحوم سرگرم دینی و سماجی کارکن، بااخلاق و نیک سیرت اور دینی درد رکھنے والے متدین بزرگ تھے۔ دینی خدمات اور تبلیغی تحریکات میں ہمیشہ پیش پیش رہے۔ اور زندگی کا بیشتر حصّہ انہی سرگرمیوں میں گذرا۔ اسی لئے حضرت صوفی صاحب مرحوم کے ملک کے دینی و تبلیغی حلقوں سے گہرے مراسم، قریبی تعلقات اور مضبوط روابط تھے۔ اکابر علماء دیوبند سے آپ کو والہانہ عشق اور لگاؤ تھا۔ چنانچہ شیخ الطریقت حضرت مولانا رائے پوری نور اللہ مرقدہٗ، امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، خطیب پاکستان قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ اور ملک و ملت کے دیگر ممتاز زعماء کرام و مشائخ عظام کا جب بھی لاہور میں ورود مسعود ہوتا تو ان کی میزبانی کا شرف اکثر آپ ہی کے حصّہ میں آتا

ایں سعادت بزور بازو نیست

صوفی صاحب مرحوم کی پیدائش ۱۹۱۴ء میں امرتسر میں ہوئی۔ آپ کے والد مرحوم نے ۱۹۲۰ء میں بٹالہ ضلع گورداسپور میں مستقل سکونت اختیار کر لی تقسیم ملک تک وہیں قیام رہا۔ اس دوران مجلس احرار اور ختم نبوت کی تحریکوں میں شرکت فرماتے رہے۔ جب امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بیعت جہاد لی جس میں لاکھوں فرزندانِ توحید شریک ہوئے، اس میں صوفی محمد اسلم صاحب مرحوم بھی شریک تھے۔ امیر شریعتؒ، قاضی احسان احمد صاحب، مولانا محمد علی صاحب اور دیگر اکابرین سے اسی زمانے سے تعلق تھا جسے آخر تک نبھایا۔

آپ نے اپنی زندگی میں جس طرح دینی و تبلیغی خدمات سرانجام دینے میں مثالی کردار کا مظاہرہ کیا اسی طرح قومی فلاح و بہبود اور سماجی امور میں بھی آپ نے ہمیشہ بھرپور حصّہ لیا۔ مفلس و نادار، غریب مردوں عورتوں، یتیم بچّوں اور معاشرہ کے دیگر معذور افراد کی امداد و اعانت اور خبر گیری آپ کی عادت ثانیہ بن چکی تھی۔

آپ کی پوری زندگی زہد و تقوٰی اور امانت و دیانت کے سنہری اصولوں کا عملی نمونہ تھی۔ اور بلا مبالغہ پاکیزگی، اخلاق اور بلند تر کردار کے اعتبار سے آپ کو ایک خاص مقام حاصل تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے داغ مفارقت سے ملک کے دینی و تبلیغی حلقوں میں ہر آنکھ اشکبار اور ہر دل سوگوار ہے۔ زندگی میں دو تین مرتبہ آپ کو دیارِ حبیبؐ کی زیارت اور حج مبارک کی سعادت نصیب ہوئی۔ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کو والہانہ محبت تھی۔

اس کا اندازہ اس واقعہ سے فرمایئے کہ ۱۹۴۴ء میں صوفی صاحب مرحوم کے والد محترم اور برادر اصغر مولانا محمد اکرم صاحب فریضہ حج کی ادائیگی کے سلسلہ میں عرب تشریف لے گئے۔ مدینہ منورہ میں ریاض الجنۃ کے قریب ایک جگہ بنی ہوئی ہے جہاں تلاوت کرنے والوں کے لئے کافی تعداد میں قرآن کریم رکھے رہتے ہیں۔ آپ کے والد (مرحوم) نے دیکھا کہ قرآن کریم اٹھانے والوں کے ہجوم سے گر جاتے ہیں۔ چنانچہ حج مبارک کی واپسی پر آپ کے والد مرحوم نے ایک بہترین، مضبوط اور عمدہ قسم کا جنگلہ تیار کرنے کا حکم دیا۔ اور یہ سعادت مولانا محمد اکرم صاحب ہی کو نصیب ہوئی۔ آپ نے شب و روز کی محنت شاقہ کے بعد ایک بہترین اور نفیس پیتل کا جنگلہ تیار کیا۔ چنانچہ اگلے سال ۱۹۴۵ء میں حضرت صوفی صاحب مرحوم راستے کی مشکلات اور مختلف رکاوٹوں کے باوجود اسے مدینہ منورہ پہنچانے میں کامیاب ہو گئے۔

حکومت حجاز کی طرف سے اجازت حاصل ہونے میں بہت سی مشکلات درپیش آئیں لیکن تائید ایزدی سے تمام مراحل طے ہو گئے بلکہ حکومت کی طرف سے اشراق اور ظہر کے درمیان اہتمام سے ریاض الجنۃ کو خالی کرایا اور پولیس کے حلقہ میں جنگلہ کی تنصیب کا کام شروع کیا گیا۔ روضۂ حبیب اور ریاض الجنۃ میں زیادہ سے زیادہ لمحات گذارنے کے لئے آپ نے گھنٹوں کا کام دنوں میں اور دنوں کا کام ہفتوں میں ختم کیا۔ اس طرح آپ کو ایک ماہ کے قریب دیارِ حبیب کے صبح و شام کے مناظر سے لطف اندوز ہونے کی سعادت نصیب ہوئی —— من از ذوقِ حضوری طول دادم داستانے را

آپ کی وفات پر تعزیت کرنے والوں میں ملک کی مختلف سیاسی، سماجی اور دینی جماعتوں اور تنظیموں کے ممتاز راہنما شامل ہیں جو دور دراز علاقوں سے اظہارِ تعزیت کے لئے تشریف لائے۔ امیر جمعیۃ حضرت درخواستی مدظلہٗ خانپور، ناظم عمومی مرکزی جمعیۃ حضرت مولانا مفتی محمود صاحب ملتان، مولانا عبید اللہ انور صاحب، حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی، حضرت مولانا خان محمد صاحب سجادہ نشین خانقاہ سراجیہ کندیاں، مولانا مفتی زین العابدین صاحب لائلپور، مولانا مفتی محمد عبد اللہ صاحب ملتان، حضرت مولانا سید عطاء المنعم صاحب، حضرت مولانا سید حامد میاں صاحب، قاری عبد السمیع صاحب سرگودھا، حافظ محمد صاحب سرگودھا۔

سیاسی و دیگر اہم شخصیتوں میں سے نوابزادہ نصر اللہ خاں صاحب، میاں ممتاز محمد خاں صاحب دولتانہ، میاں محمود علی صاحب قصوری، جسٹس مولوی مشتاق صاحب، میاں طفیل محمد صاحب خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ (قاری) محمد شریف صاحب قصوری

بقیہ : اداریہ

ہدایات اور قوانین کو اپنایا جائے۔
(ارشد)

اِک دِیا اور بجھا اور بڑھی تاریکی

یہ خبر عالم اسلام میں عموماً اور ورِ برِّ صغیر پاک و ہند میں خصوصاً نہایت افسوس کے ساتھ سنی گئی کہ مسندِ رُشد و ہدایت اور سلوک و تصوّف کی عظیم شخصیت حضرت مولانا عبدالغفور صاحب نقشبندی گذشتہ ہفتہ مدینہ منوّرہ میں وفات پا گئے۔ حضرت مولانا اس قحط الرجال کے تاریک دَور میں شمع فروزاں کی حیثیت رکھتے تھے اور ان کے دم قدم سے ارشاد و سلوک کی محفل آباد تھی۔ اور برصغیر پاک و ہند میں ہزاروں مسلمان ان کے فیض روحانی اور تلقین کی وجہ سے راہِ ہدایت پر گامزن تھے۔ افسوس کہ یہ شمع بھی بجھ گئی۔ اور دنیا ایک مردِ باصفا سے محروم ہو گئی۔

یہ عجیب اتفاق ہے کہ اس آخری دَور میں جن دو بزرگوں نے مدینۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ملجا و ماوٰی بنایا وہ دونو بزرگ اس دَور میں سلسلۂ نقشبندیہ کے شمس و قمر تھے۔ یہ دونو بزرگ حضرت مولانا سید محمد بدر عالم مہاجر مدنیؒ اور حضرت مولانا عبدالغفور مہاجر مدنیؒ تھے۔ حضرت مولانا سید محمد بدر عالم تین چار سال پیشتر مدینہ منورہ میں انتقال فرما گئے اور اب حضرت مولانا کی باری آ گئی۔ دونو بزرگ اپنی مثال آپ تھے۔

ادارہ خدام الدین کے نزدیک حضرت مولانا کی وفات ایک بہت بڑا حادثہ ہے۔ افسوس کہ اچھے اور جامع صفات نسان جو خال خال ہیں ایک ایک کر کے رخصت ہو رہے ہیں۔ لیکن ان کے جانے سے جو خلا پیدا ہوتا ہے اس کے پُر ہونے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔

ادارہ حضرت مولانا کے جملہ متوسلین اور اعزا و اقارب سے اظہار ہمدردی کرتا ہوا قارئین سے درخواست کرتا ہے کہ وہ حضرت مولانا کی مغفرت اور بلندئ درجات کے لئے دعا کریں۔

ڈی ایس پی چیمہ کے خلاف استغاثہ کی سماعت ہائیکورٹ میں ہو گی

مارشل لار کے ضابطہ نمبر ۳ میں ترمیم کے تحت مقدمہ عام عدالت میں پیش ہو سکتا ہے

لاہور ۳۰ رمئی۔ مغربی پاکستان ہائی کورٹ کے مسٹر جسٹس بشیر الدین، مسٹر جسٹس مشتاق حسین اور مسٹر جسٹس شیخ شوکت علی پر مشتمل فل بنچ نے جمعیت العلمائے اسلام کے صوبائی امیر مولانا عبیداللہ انور کے مقدمہ کے بارے قرار دیا ہے کہ ہائی کورٹ کو استغاثہ کی سماعت کرنے کے اختیارات حاصل ہیں۔

فاضل ججوں نے اپنے حکم میں لکھا ہے کہ مارشل لار کے ضابطہ نمبر ۳ میں ترمیم کر دی گئی ہے۔ اس لئے مولانا عبیداللہ انور کے استغاثہ کی سماعت عام عدالت میں کی جا سکتی ہے۔ فاضل ججوں نے مقدمہ کو واپس ہائی کورٹ میں پیش کرنے کا حکم دیا ہے۔

واضح رہے کہ گذشتہ ہنگاموں کے دوران سابق ڈی ایس پی چیمہ نے مولانا انور کو زد و کوب کیا تھا مولانا نے ڈسٹرکٹ اور سٹی مجسٹریٹ کے علاوہ ڈی ایس پی چیمہ کے خلاف استغاثہ دائر کرایا اور ہائی کورٹ میں درخواست دی کہ استغاثہ کی سماعت ہائی کورٹ میں کی جائے۔ ہائی کورٹ کے مسٹر جسٹس شیخ شوکت نے درخواست منظور کر لی اور سیشن جج لاہور کو ابتدائی تحقیقات کرنے کا حکم دیا۔ انہوں نے دونوں مجسٹریٹوں کو بری الذمہ اور ڈی، ایس پی چیمہ کو مجرم قرار دیا۔ ہائیکورٹ نے مسٹر چیمہ کے وارنٹ گرفتاری جاری کر دئے۔ پھر بیس ہزار روپے کے ضمانت نامے پر انہیں رہا کرنے کا حکم دے دیا۔ گذشتہ تاریخ سماعت پر مسٹر چیمہ کی جانب سے مارشل لار کے ضابطہ نمبر ۳ کا حوالہ دیتے ہوئے یہ موقف اختیار کیا گیا کہ ہائی کورٹ کو مسٹر چیمہ کے خلاف استغاثہ کی سماعت کا اختیار ہی نہیں ہے۔ اس قانونی نکتہ کی وضاحت کے لئے فاضل جج نے فل بنچ کی تشکیل کی درخواست کی۔ چنانچہ فل بنچ نے متذکرہ بالا احکام دئے۔ اٹارنی جنرل سید شریف الدین پیرزادہ اور میاں اسلم ریاض حسین اسسٹنٹ ایڈووکیٹ جنرل نے پیروی کی۔

(روزنامہ امروز ۳۱ رمئی ۱۹۶۹ء)

انتقال پُر ملال

● یہ خبر پڑھ کر تمام اسلامیان سمندری خصوصاً جماعتی دوستوں سے اظہارِ غم اور مغفرت کے لئے دعائیں کرائی گئیں جو کہ حضرت مرزا غلام نبی جانباز کی اہلیہ مرحومہ اور حاجی مولانا محمد اکرم کے حقیقی برادر مولانا محمد اسلم مرحوم کے انتقال پُر ملال پر ہوئیں ایصالِ ثواب کیا گیا۔ اور لواحقین کو صبر جمیل سے رہنے کی رب العالمین سے دعائیں کرائی گئیں۔ فقط۔ شریکِ غم محمد علی جانباز
صدر مجلس تحفظ ختم نبوت سمندری ضلع لائلپور

● مورخہ ۱۰ رمئی ۱۹۶۹ء بوقت صبح بعارضہ دمہ حضرت مولانا پیر عبدالقادر شاہ صاحب بھمبیروری خلف رشید حضرت حنیدوڈہ صاحب انتقال فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

پیر عبدالقادر شاہ صاحب جیّد بزرگوں میں سے تھے آپ کے پسماندگان میں سے ایک صاحبزادی اور ایک بیوہ چھوڑی ہیں
محمد عبدالمالک مدرس مدرسہ قاسم العلوم ڈیرہ غازیخان

جلسۂ سیرت النبیؐ

انجمن خدام الاسلام خانیوال کے زیر اہتمام مورخہ ۱۴ رجون بمطابق ۲۰ ربیع الاول بروز ہفتہ بعد نماز عشاء سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلہ میں ایک عظیم الشان جلسہ زیر صدارت حاجی علی شیر صاحب مالک کتب خانہ صدیقیہ خانیوال چوک نور بازار میں منعقد ہو گا جس میں مولانا عبدالرحمٰن صاحب جامی، مولانا قاری محمد شریف قصوری، مولانا عبداللطیف صاحب خطیب مدنی مسجد، مولانا محمد رفیق جھنگوی و دیگر علماء کرام سیرت مقدسہ کے موضوع پر تقاریر فرمائیں گے۔

(صوفی محمد سلیم نائب صدر انجمن خدام الاسلام خانیوال)

ضرورت مدرس

مدرسہ عربیہ حدیقۃ الاحسان شاہی جامع مسجد شجاع آباد کو ایک حافظ قاری کی ضرورت ہے جو بچوں کو قرآن کریم حفظ و ناظرہ کی تعلیم دے سکے بذریعہ خط و کتابت یا بالمشافہ گفتگو کریں۔ مدرسہ ہذا میں تجوید و قرأت کی تعلیم کا انتظام بھی کر دیا گیا ہے۔
قاضی عبداللطیف اختر خطیب و متولی شاہی جامع مسجد و مہتمم مدرسہ ہذا

مدرسہ مجددیہ تعلیم القرآن، بھیرہ

مدرسہ مجددیہ تعلیم القرآن عرصہ سات سال سے بھیرہ ضلع سرگودھا میں قائم ہے۔ اس مدرسہ کے مہتمم مولانا الحاج حافظ غلام لٰیسین صاحب ہیں۔ علاقہ پنجاب کے اکثر حفاظ آپ کے شاگرد ہیں۔ اس سے قبل بھیرہ کی مشہور دینی درسگاہ دار العلوم عزیزیہ شاہی مسجد بھیرہ میں آپ نے اپنے شیخ قطب زماں حضرت مولانا ابو اسعد احمد خاں صاحب رح خانقاہ سراجیہ مجددیہ کندیاں شریف کے حکم پر درس قرآن کا سلسلہ شروع رکھا۔ اور تقریباً ۳۵ سال تک آپ نے اس مدرسہ میں درس و تدریس کے فرائض سرانجام دیئے۔ اب عرصہ سات سال سے آپ نے اپنے شیخ سیدی و مرشدی حضرت مولانا الحاج خان محمد صاحب خانقاہ سراجیہ مجددیہ کندیاں شریف کے ارشاد پر اپنے محلہ کی جامع مسجد میں قرآن کی تدریس کا سلسلہ شروع کیا، اب تک مدرسہ مذکور میں فقط قرآن کی تعلیم کا انتظام تھا۔ اگلے تعلیمی سال کے شروع ہونے پر یہاں کتابوں کا سلسلہ بھی انشاء اللہ شروع کیا جائے گا۔ اہل خیر حضرات زکوٰۃ، صدقات اور دیگر عطیات دیتے وقت مدرسہ ہٰذا کو یاد رکھیں۔ جملہ خط و کتابت اور رقوم بھیجنے کا پتہ:۔

(مولوی حافظ محمد حفیظ الرحمٰن ابن مولانا الحاج حافظ غلام لٰیسین صاحب، محلہ حاجی گلاب، بھیرہ ضلع سرگودھا)

سالانہ جلسہ

حسب دستور سابق امسال بھی مدرسہ عربیہ حلقۃ الاحسان شاہی جامع مسجد شجاع آباد کا سالانہ جلسہ مورخہ ۲۹، ۳۰ جمادی الثانی و یکم رجب المرجب مطابق ۱۲، ۱۳، ۱۴ ستمبر سنہ ۶۹ء ہونا قرار پایا ہے۔ جس میں ملک و ملت کے نامور مشاہیر علماء کرام و مشائخ عظام شرکت فرما رہے ہیں۔ (قاضی عبد اللطیف اختر مہتمم مدرسہ ہٰذا)

سچائی کی طاقت

سناتا ہوں آج ایک تم کو کہانی
کہ گیلان میں ایک مردِ خدا تھا
وہ تھا نیکیوں میں مثال آپ اپنی
خدا کی عبادت کا تھا ذوق اس کو
اسے نیکیوں سے محبت تھی اتنی
انہی خوبیوں کی بدولت یہ عالم

سنی تھی جو کل والدہ کی زبانی
خدا کی عبادت میں جو بے ریا تھا
بہت کم ہے تعریف ہو اس کی جتنی
نبیؐ کی اطاعت کا تھا شوق اس کو
چوری کی چیزوں سے ہوتی ہے جتنی
سمجھتا ہے اب بھی اسے غوث اعظمؒ

اسی کے یہ بچپن کا قصہ ہے بچو!
اسے پڑھ کے تم بھی کوئی بات سیکھو

تھا بغداد کا ان دنوں خوب چرچا
کیا فیصلہ غوث اعظمؒ کی ماں نے
ہوئی جلد ہی آرزو اس کی پوری
اسی قافلے میں کیا اس کو شامل
سفر خرچ کے واسطے نیک ماں نے
انہیں اس طریقے سے لیکن دیا تھا
یہ کی اس کو چلنے سے پہلے نصیحت
کسی حال میں بھی نہ تو جھوٹ کہنا

جہاں میں تھا وہ علم و حکمت کا چشمہ
کہ دیں سیکھنے اس کو بغداد بھیجے
خبر آئی اک قافلے کے سفر کی
ہوئی یوں بزرگوں کی نسبت یہ حاصل
دئے ٹانک گدڑی میں چالیس سکے
کہ چوری کا کھٹکا نہ باقی رہا تھا
پڑے خواہ کیسی ہی تجھ پر مصیبت
کہ سچ ہی جہاں میں ہے انساں کا گہنا

یہ سن کر وہ نیک اور معصوم بچہ
ہوا اپنی منزل کی جانب روانہ

ابھی راستے ہی میں یہ قافلہ تھا
تھے رہزن اور انہیں خوب لوٹا
یہ ننھا مسافر بھی مشکل میں آیا
لٹیروں نے آخر یہ پوچھا کہ لڑکے
یہ سن کر کہا غوث اعظمؒ نے ان سے
وہ سن کر جو حیران رہزنوں نے دیکھا
وہ حیران و ششدر تھے اس واقعے سے
کہا ہم کو یہ راز کیوں ہے بتایا
یہ سن کر کہا غوث اعظمؒ نے ان سے
کسی حال میں بھی نہ میں جھوٹ بولوں
اثر کر گئی دل میں یہ بات ان کے
کہا آپ اور ماں کے کہنے پہ چال
یہ کہتے ہوئے گڑگڑا کر وہ روئے
کسی کو بھی اب ہم نہ لوٹا کریں گے

لٹیروں نے آکر انہیں آن گھیرا
کسی کو بھی ان ظالموں نے نہ چھوڑا
مگر اس کے سامان میں کچھ نہ پایا
چھپائے ہیں تو نے کہاں اپنے پیسے
کہ گدڑی کے اندر ہی رکھے ہیں سارے
تو گدڑی میں موجود نقدی کو پایا
کہ سچ کہہ کے کیوں اپنے پیسے گنوائے
یونہی اپنی دولت کو ناحق گنوایا
نصیحت یہ کی تھی مری پیاری ماں نے
فقط سچ ہی بولوں زباں سے جب بھی بولوں
وہ رونے لگے ان کے قدموں میں گر کے
اور اسلام کہ علم خدا سے بھی ناواقف
پھر اس طرح حضرت سلامت سے بولے
ہمیشہ ہی اب راہ سیدھی چلیں گے

صداقت میں کس درجہ طاقت ہے بچو!
صداقت کا دامن نہ ہاتھوں سے چھوڑو

عابد نظامی

لہ صوفیا کی اصطلاح میں "بڑے غوث" مراد ہے

The Weekly "KHUDDAMUDDIN"

LAHORE (PAKISTAN)

بدل اشتراک ہفت روزہ خدام الدین لاہور

پاکستان اور انڈیا میں سالانہ چندہ	..	۱۱
" " شش ماہی	..	۶
" " "	..	۳
سعودی عرب بذریعہ ہوائی جہاز سالانہ چندہ	..	۴۲
" " بحری جہاز		۱۱
" ہوائی ڈاک شش ماہی	..	۲۱
" بحری	..	۶
انگلینڈ بذریعہ ہوائی ڈاک سالانہ	۴۰	۷۳
" " بحری	۸۰	۱۸

انڈیا کے خریدار اپنا چندہ منیجر ماہنامہ "الفرقان" کچہری روڈ لکھنؤ ارسال کر کے ڈاک خانہ کی رسید ہمیں ارسال کر دیں۔
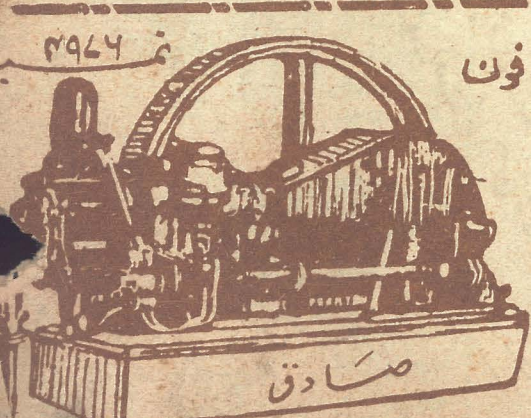
(سرکولیشن منیجر)

فیروز سنز لمیٹڈ لاہور میں باہتمام عبید اللہ انور پرنٹر چھپا اور دفتر خدام الدین شیرانوالہ گیٹ لاہور سے شائع ہوا